ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۸/ جولائی ۹۶ء

☆ غیر اللہ کی حاکمیت سب سے بڑا شرک ہے : خطبہ خلافت

☆ تبدیلی کی اصل ضرورت سسٹم میں ہے : بحث و نظر

☆ "بین الاقوامی" اتحاد کا اصل محرک اسلامی تحریکوں کی سرکوبی تھا : گوشہ خلافت

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

احتسابی کمیشن

بجٹ تو ٹھکانے لگ چکا' اب دیکھئے احتجاجی اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ حالیہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں حکومت اور اپوزیشن کی جانب سے ایک دوسرے پر کرپشن کے الزامات کی بوچھاڑ ہوئی تو اپوزیشن نے قومی اسمبلی میں کرپشن کے خاتمے کے لئے اعلیٰ عدالتی کمیشن کے قیام کی تحریک پیش کر دی۔ ایوان میں اس معاملے پر سوا گھنٹے تک زبردست بحث ہوتی رہی جس دوران قائد اپوزیشن میاں محمد نواز شریف نے چار بار خطاب بھی کیا۔ بالآخر اپوزیشن کی تحریک کو ۴۸ کے مقابلے میں ۸۶ ووٹ سے شکست ہوئی۔ موجودہ ایوان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سابق نگران وزیر اعظم میر بلخ شیر مزاری نے اپوزیشن کا ساتھ دیا۔ ظفر اللہ جمالی اور جماعت اسلامی کے ارکان نے بھی اپوزیشن کی تحریک کے حق میں ووٹ دیئے۔ قرارداد مسترد ہونے کے بعد میاں نواز شریف نے پریس کانفرنس میں صدر سے مطالبہ کیا کہ وہ آئین کے تحت اس مسئلے پر ریفرنڈم کرائیں۔ عام آدمی اپنے اکابرین سے پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ جس نظام یعنی جمہوریت کو اپنانے کا پاکستانی قوم فخریہ انداز سے دعویٰ کرتی ہے اس میں تو ایک ووٹ کی برتری کو بھی خوشدلی سے قبول کرنے کی تعریف کی جاتی ہے چہ جائیکہ مذکورہ واضح ترین شکست کے باوجود "میں نہ مانوں" کی رٹ لگائی جائے۔ کرپٹ تو ہم ہیں ہی۔ ہر بڑا چھوٹا' امیر و غریب' حاکم و محکوم اسے تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بین الاقوامی سطح پر پاکستان کو دنیا میں دوسرے نمبر پر کرپٹ ملک قرار دے کر ہماری قومی غیرت کا منہ چڑایا گیا ہے۔ اس اخلاقی مرض کا علاج احتسابی کمیشن نہیں۔ اس قسم کے ہتھکنڈے پہلے بھی آزمائے جا چکے ہیں۔ ایوب خان کا ایبڈو' یحییٰ خان کا ۳۰۳ اور ضیاء الحق کا احتساب کچھ بھی نہ کر پائے بلکہ بلیک میلنگ کے ذریعے مزید کرپشن کا باعث بنے۔ ایک ممکنہ حل یہ ہے کہ اگلے قومی انتخابات میں ہر اس شخص کے انتخاب لڑنے پر پابندی لگا دی جائے جو گزشتہ پچاس برس میں ایک بار بھی کونسلر' قومی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر' سینیٹر' وزیر یا مشیر رہ چکا ہو۔ اس طرح موروثی سیاستدان پانچ سال کے لئے تو گھر بیٹھ جائیں گے اور کرپشن مافیا ٹوٹ جائے گا۔ سوال ہے کہ ایسا قانون پاس کون کرے۔ یہ تو ہرگز ممکن نہیں کہ موجودہ مقننہ یا ارباب شخصی اختیار مطلوبہ قانون لاگو کر دیں' البتہ عوام کو اس ضمن میں اپنا رول ادا کرنا ہو گا۔ اگر دکھ بھری زندگی سے نجات حاصل کرنے کا ارادہ ہے' اگر رب کی بجائے انسان کی پوجا سے واقعی کنارہ کش ہونا ہے تو اقتدار کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینا ہو گی۔ عوام عہد کر لیں کہ وہ اگلے انتخابات میں کسی ایسے شخص کو ووٹ نہیں دیں گے جو کبھی اقتدار کی چھوٹی یا بڑی کرسی پر بیٹھا ہو۔ ایک مرتبہ تو عوام ان کرپٹ لوگوں کو پانچ سال کے لئے حسرت بھری آہیں بھرنے دیں' شاید کہ ہماری بگڑی بن جائے۔

"چور مچائے شور" کے مصداق ابھی احتسابی کمیشن کا واویلا ختم نہ ہوا تھا کہ بجٹ کا کلہاڑا حکومت نے دے مارا۔ قوم چیخ اٹھی۔ ہر طرف نامنظور نامنظور کی صدا بلند ہوئی' حکومت سے باہر آل پارٹیز کانفرنس نے اسے مسترد کر دیا' ملک گیر ہڑتال ہوئی' جماعت اسلامی کے احتجاجی پروگرام کے دوران چار کارکن شہید ہوئے' اگلے روز پھر بہت سوں کی پٹائی ہوئی۔ اس دھکم پیل میں حکومت نے قومی اسمبلی سے بجٹ پاس کروا لیا اور اپوزیشن بائیکاٹ کے زعم میں منہ دیکھتی رہ گئی۔ کاش اجتناوقت اپوزیشن نے حکومت کا منہ کالا کرنے پہ صرف کیا اور جتنی سوچ بچار سے جماعت اسلامی نے راولپنڈی میں اپنے صدر دفتر المکرم کے قریب نالے اور پہاڑیوں کے پس منظر میں پولیس مقابلے کے لئے کام لیا اس کا نصف وقت ہی قومی اسمبلی میں بجٹ پر بحث کے دوران سنجیدہ انداز میں حصہ لیا ہوتا اور ٹھوس قابل عمل تجاویز پیش کی ہوتیں تو ریکارڈ پر آ جاتیں اور عوام کے لئے مطالبات منوانے کے لئے متبادل حل کا کام دیتیں۔ مگر ایسا نہ ہوا اور حکومت ہاتھ دکھا گئی۔ پرانی کہاوت ہے "کھسیانی بلی کھمبا نوچے"۔ اب اپوزیشن نے عوامی اسمبلی جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اعلان

(باقی صفحہ ۷ پر)

قیمت : ۸ روپے

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں' بلکہ ان کا خرچ ان کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے O

(کہ عباد الرحمٰن کا ایک اہم وصف جو ان کی شخصیت میں پختگی کا نمایاں مظہر ہے' یہ ہے کہ وہ خرچ میں میانہ روی اور اعتدال سے کام لیتے ہیں کہ فضول خرچی اور اسراف بھی شخصی ناپختگی اور ہلکے پن کی علامات میں سے ہیں اور کنجوسی اور بخل کا شمار تو یقیناً رذائل اخلاق میں ہوتا ہے)

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہیں قتل کرتے کسی جان کو کہ جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو مگر حق کے ساتھ' اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں O

(اللہ کے یہ نیک بندے ہر نوع کے کبیرہ گناہ سے بچتے ہیں' ان کی شخصیت شرک کی ہر آلودگی سے پاک وصاف ہوتی ہے' اللہ کے سوا کسی کی بندگی تو درکنار' مدد اور حاجت روائی کے لئے غیر اللہ کو پکارنا بھی کسی حالت میں انہیں گوارا نہیں کہ یہ چیز بھی شرک کے زمرے میں داخل ہے۔ ان کی زندگی میں قتل ناحق اور زنا جیسے گناہوں کا بھی دور دور گزر نہیں ہوتا)

اور جو کوئی یہ کام کرے وہ جا پڑا گناہ میں O دگنا کر دیا جائے گا اس کے لئے عذاب قیامت کے دن اور اس میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا O

(ایسے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والا گناہ کے وبال سے نہ بچ سکے گا کہ ان گناہوں کے زہریلے اثرات اور دور تک مسموم کرنے اور معاشرتی اقدار کو تلپٹ کرنے کا باعث بنتے ہیں چنانچہ ان کا عذاب بھی روز قیامت دوچند اور سہ چند کر دیا جائے گا)

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کئے نیک کام تو اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ ہے ہی بخشنے والا' مہربان O

(ہاں خلوص دل سے کی جانے والی توبہ بڑے سے بڑے گناہ کے اثرات کو زائل کر سکتی ہے۔ وہ توبہ جو چند رٹے ہوئے جملوں پر مشتمل نہ ہو بلکہ پشیمانی اور ندامت کے جذبات کے ساتھ قلب کی گہرائیوں سے پھوٹنے والے ایسے کلمات استغفار پر مبنی ہو جن سے ایمان کی تجدید بھی ہوتی ہو اور جو اصلاح اعمال کا بھی پیش خیمہ بن سکیں' کہ ان کیفیات کے ساتھ کی گئی توبہ پروردگار کو اتنی محبوب ہے کہ وہ گناہوں کو معاف ہی نہیں کرتا بلکہ انسان کو ان گناہوں کے اثرات بد سے پاک کر کے اسے نیکیوں اور حسنات کی توفیق دے دیتا ہے)

اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے O

(کہ توبہ کرنے کے بعد بھی اگر عمل میں رتی بھر فرق واقع نہ ہوا ہو' معصیت کا اسی طور صدور ہوتا ہو تو ایسی توبہ پروردگار کے یہاں مقبول نہیں' صحیح اور سچی توبہ صرف وہی ہے جو برے اعمال کو چھوڑنے اور نیکی کی راہ پر آنے کا باعث بن جائے) (سورۃ الفرقان' آیت نمبر ۶۷ تا ۷۱)

جوامع الکلم

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

(کہ انسان کے لئے' جو نسیان اور خطا کا پتلا ہے' اس سے بڑی خوشخبری اور نوید کوئی نہیں ہو سکتی کہ سچی توبہ انسان کے گناہوں کے اثرات کو اس طرح زائل کر دیتی ہے گویا اس گناہ کا صدور انسان سے کبھی ہوا ہی نہ ہو) (الحدیث)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ کے ڈیسک سے!

آج کے اخبار میں ایک ایسی تصویر شائع ہوئی ہے' جسے دیکھنے کی آرزو ہمارے ملک کے ایک مخصوص طبقے کے دلوں میں جس میں جماعت اسلامی کے وہ ارکان اور متفقین خاص طور پر شامل ہیں جن کے ذہن و فکر پر سیاست اور سیاسی اغراض کا تسلط ہے اور باقی ہر چیز ان کے نزدیک ثانوی ہے ——— ایک عرصے سے مچل رہی تھی۔ اس تصویر نے جن لمحات کو محفوظ کیا ہے ان کا انتظار بہت شدت کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ یہ تصویر قاضی حسین احمد صاحب اور ان کے بعض اہم رفقاء کار کی ہے جو نواز شریف صاحب کو ان کی منصورہ آمد پر خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ تصویر میں موجود ہر شخص خوشی سے نہال نظر آتا ہے۔ وفور مسرت سے ہر شخص کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔ یہ کوئی رسمی مسکراہٹ نہیں ہے بلکہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات کے انگ انگ سے مسکراہٹ پھوٹ رہی ہے..... گو کسی ہمدم دیرینہ کا پھر آملنا یقیناً ملاقات مسیحا و خضر سے بہتر شمار ہوتا ہے اور اتحاد و اتفاق کو ہمیشہ اعلیٰ قدر کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے لیکن ایک خاص زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ ملاقات خوش کن قرار نہیں پائے گی بلکہ اس کے ذریعے ان خدشات اور اندیشوں کو تقویت پہنچتی دکھائی دیتی ہے جن کا اظہار بعض سنجیدہ حلقوں کی جانب سے پچھلے دنوں بتکرار و اعادہ کیا جاتا رہا ہے۔ بلکہ خود قاضی صاحب محترم نے بھی ان خدشات کی سختی سے نفی کرتے ہوئے واضح طور پر فرمایا تھا کہ "ہماری جدوجہد اس لئے نہیں کہ خون ہم دیں اور چوری اور کوئی کھائے!"..... قائد حزب اختلاف نواز شریف صاحب کی منصورہ حاضری کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ قاضی صاحب کے جرات مندانہ اقدام اور جماعت کے کارکنوں کی قربانیوں کے باعث انہیں حصول اقتدار کی منزل قریب نظر آنے لگی ہے۔ قاضی صاحب سے ان کی اس ملاقات کی اس کے سوا اور کوئی تاویل ممکن نہیں کہ چوری کو قریب دیکھ کر ان کی بے تابی بڑھ گئی ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ ۲۴ جون کا جماعت اسلامی کا "دھرنا" ملکی سیاسی فضا کے جمود کو توڑنے کا باعث بنا ہے۔ حکومت وقت نے اس دھرنے کو ناکام بنانے کے لئے جو اقدامات کئے وہ بلاشبہ انتہائی قابل مذمت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے اپنے اس بھونڈے اقدام سے خود اپنے شجر اقتدار کی جڑوں پر تیشہ چلایا ہے۔ ۲۵ جون کے اخبارات میں شائع ہونے والی قاضی حسین احمد کی اس تصویر نے جس میں وہ پولیس کی لاٹھیوں کے زیر سایہ مظلومیت کی تصویر بنے دکھائی دیتے ہیں' ہر دردمند مسلمان کو ہلا کر رکھ دیا۔ جماعت کے ارکان کی قربانیوں کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اخباری کالموں میں قاضی صاحب کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا گیا۔ وہ کالم نویس بھی جو ہمیشہ قاضی صاحب کی پالیسیوں کو ہدف تنقید اور ان کی ذات کو استہزاء کا نشانہ بناتے تھے' ان کی ہمت و جرات کی داد دینے پر مجبور ہوئے..... لیکن جذبات اور جوش کو ایک طرف رکھتے ہوئے حقیقت پسندانہ انداز میں تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس ہنگامہ ہائے ہاؤ ہو کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ تمام سنجیدہ تجزیہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ اس کا سارا فائدہ اپوزیشن کو پہنچے گا یا پھر امریکہ کو کہ وہ اس کے حوالے سے موجودہ حکومت کو بلیک میل کر کے مزید اپنے من پسند فیصلے اس سے منوا سکے گا۔ ماضی کے تجربات اس امر پر شاہد ہیں کہ مذہبی سیاسی جماعتوں کی بڑے پتن سے پکائی ہوئی کھیر ہمیشہ کچھ اور عناصر نے کھائی۔

وہ ایوب کی آمریت کے خلاف تحریک ہو یا بھٹو حکومت کو گرانے کی متحدہ کوشش ہو' دینی جماعتوں بالخصوص جماعت اسلامی نے ہمیشہ ان تحریکوں میں نہایت فعال کردار ادا کیا لیکن چوری ہمیشہ کسی اور نے ہی کھائی۔ ہمارا حافظہ لاکھ کمزور سہی' پر اتنا بھی کمزور نہیں ہونا چاہئے کہ آئی جے آئی کی حکومت میں جماعت اسلامی کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا تھا اسے اتنی جلدی بھلا دیں۔ آئی جے آئی کے صدر نواز شریف سے انتہائی مایوس اور نالاں ہو کر بالآخر قاضی حسین احمد صاحب کو آئی جے آئی سے علیحدگی کا اعلان کرنا پڑا۔ ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اس ملک کے اقتدار کی غلام گردشوں پر ہمیشہ سیکولر عناصر کا قبضہ رہا ہے۔ یہاں زمام اقتدار ہمیشہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ ارباب اختیار ہی نہیں عوام کی ایک عظیم اکثریت بھی ذہن و فکر کے اعتبار سے خالص سیکولر ہے۔ ان حالات میں کسی سیکولر پارٹی کے ساتھ اشتراک عمل کے نتیجے میں حکومت وقت کی ٹانگ تو گھسیٹی جا سکتی ہے' نظام تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ آئی جے آئی کے تلخ تجربے کے بعد بھی کیا کسی اور تجربے کی ضرورت ابھی باقی ہے؟ اگر قاضی صاحب یا جماعت کے ارکان کا یہ خیال ہے کہ نواز شریف کے ساتھ مل کر تبدیلی حکومت کے ذریعے دین حق کے نفاذ اور اقامت دین کی منزل سر کرنا ممکن ہے تو یہ خود فریبی ہی نہیں حقائق سے دانستہ چشم پوشی کے بھی مترادف ہے۔

ہاں قاضی صاحب کے اس احتجاجی دھرنے نے یہ ثابت کیا ہے کہ احتجاجی مظاہرے اور دھرنے میں بڑی قوت ہے۔ انقلاب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور اس کے ابتدائی مراحل سے گزر کر اگر اس دھرنا کارڈ کو جرات و ہمت کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مضبوط سے مضبوط حکومت کو بھی چت کیا جا سکتا اور بظاہر محکم نظام کو بھی جڑ بنیاد سے اکھاڑا جا سکتا ہے۔ کاش قاضی حسین احمد صاحب اور ان کے ساتھی اس دھرنے سے یہ سبق حاصل کرتے ہوئے انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر خالص دین کے نام پر احتجاجی سیاست کے آغاز کا اعلان کریں اور اس کے اولین قدم کے طور پر عوام کی ذہنی تربیت اور دعوت کا کام ہمہ گیر انداز سے شروع کریں۔ اس کام کے لئے امیر تنظیم اسلامی کی جانب سے اشتراک عمل کی پیشکش انہیں بہت پہلے کی جا چکی ہے۔ ۲۴ جون کا "دھرنا" اس امر کا پتہ بھی دیتا ہے کہ اگر اس رخ پر جدوجہد کی جائے تو عوام کی ہمدردیاں بھی انہیں حاصل ہوں گی اور اگر اللہ نے چاہا تو تمام دینی جماعتیں بھی اس کام میں ان کے ساتھ تعاون کریں گی۔ نظام کو بدلنے کی یہی واحد صورت ہے۔

☆ ☆ ☆

زیر نظر شمارے سے "خطبات و خلافت" کے عنوان سے ایک نہایت اہم سلسلہ مضامین اشاعت کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ دور حاضر میں نظام خلافت کا سیاسی و دستوری ڈھانچہ کیا ہو گا' اسی طرح اس نظام میں معاشی و اقتصادی اور معاشرتی و سماجی سسٹم کن بنیادوں پر استوار ہو گا' ان موضوعات پر امیر تنظیم اسلامی ۹۲-۹۳ء میں پاکستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں "خطبات خلافت" ہی کے عنوان سے مفصل اظہار خیال فرما چکے ہیں۔ یہ خطبات عوام کو نظام خلافت کی برکات سے آگاہ کرنے' خلافت کے اصل مفہوم اور اسلام کے تصور خلافت سے انہیں آشنا کرنے اور نظام خلافت کے نمایاں خدوخال سے انہیں آگاہ کرنے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ نظام خلافت کے حوالے سے عوام کے ذہنوں میں موجود بہت سی غلط فہمیوں کے ازالے کا ذریعہ بھی بنے۔ چنانچہ ان کی افادیت کو بڑے وسیع حلقے میں محسوس کیا گیا۔ قبل ازیں ۱۹۹۲ء میں ان خطبات

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر: اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۲۶

۸ / جولائی ۹۶ء

14

ایڈیٹر

حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات

تحریک خلافت پاکستان

۴ - اے' مزنگ روڈ' لاہور

مقام اشاعت

۳۶ - کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون: ۵۸۶۹۵۰۱-۳

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۸ روپے

سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان

☆ ترکی' اومان' مصر ۱۳/ امریکی ڈالر

☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' یورپ' جاپان ۲۰ امریکی ڈالر

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

غیر اللہ کی حاکمیت کا تصور ہی سب سے بڑا شرک ہے

نبی اکرم ﷺ کی بعثت صرف دعوت و تبلیغ کیلئے نہیں، بلکہ غلبہ دین حق کیلئے تھی

ڈاکٹر اسرار احمد

حمد و ثناء و تلاوت آیات کے بعد فرمایا :

آج سے جو موضوعات "خطبات خلافت" کے عنوان سے بیان ہوں گے ان موضوعات کو میں گزشتہ دو برسوں سے متعدد جلسہ ہائے عام اور دیگر محافل میں بار بار اجمالاً بیان کر چکا ہوں۔ علاوہ ازیں حال ہی میں ایک ماہ کے اندر اندر چار جگہ "خطبات خلافت" کے عنوان سے یہ موضوعات کسی قدر تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں۔

ان خطبات کا آغاز کراچی کے "خالق دیناہال" سے ہوا ہے۔ میں ذاتی طور پر اس تکرار سے جو الجھن محسوس کرتا ہوں اس میں اس وجہ سے اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کہ میرے سامعین اور حاضرین میں "تنظیم اسلامی" اور "تحریک خلافت" کے رفقاء و معاونین شامل رہتے ہیں۔ ان حضرات نے یہ باتیں مجھ سے بار بار سنی ہیں، چنانچہ ان کے سامنے انہی باتوں کا اعادہ تکرار کی عجیب صورت اختیار کر لیتا ہے۔

جہاں تک قرآن و حدیث کا معاملہ ہے تو انکی تکرار و اعادہ یقیناً مطلوب ہے، چنانچہ جو شخص صرف نماز ہی پڑھتا ہے وہ بھی فرائض اور سنن موکدہ میں روزانہ ۳۲ بار سورۂ فاتحہ کا اعادہ کرتا ہے۔ رکوع اور سجود میں تسبیحات کا اعادہ بھی ہوتا ہے۔ اس تکرار میں بہت سی حکمتیں ہیں، اور کچھ ہو نہ ہو "کلام محبوب" کی تکرار کی لذت کا کون انکار کر سکتا ہے۔

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا "حدیث دوست" کہ تکرار می کنیم

میں نے شروع میں جو آیات تلاوت کی ہیں ان میں سے پہلی سورۂ نور کی آیت ۵۵ ہے۔ ارشاد ربانی ہے : ﴿وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا يعبدوننى لا يشركون بى شيئا' ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفسقون﴾ (ترجمہ) "وعدہ کر لیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن۔ میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان"۔ اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کرنے والے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور خلافت عطا فرمائے گا۔ یہاں پر خلافت سے مراد مسلمانوں کی حکومت ہے۔

اس وعدے کے سلسلہ میں مزید وضاحت یہ فرما دی کہ یہ خلافت یا حکومت موجودہ امت مسلمہ (جو امت محمدؐ ہے) کو اسی طرح عطا کی جائے گی جس طرح اس سے پہلے کی امت مسلمہ (بنی اسرائیل) کو عطا کی گئی تھی۔ یہ وہ سابقہ امت ہے جس کا وجود تو اب بھی برقرار ہے مگر اپنے منصب سے وہ معزول ہو چکی ہے۔

اس آیت میں اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ہم نے اس سابقہ امت کو بھی حکومت عطا کی تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے : ﴿يا داود انا جعلنك خليفه فى الارض﴾ (ترجمہ) "اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا"۔ اس موقعہ پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ حضرت طالوت سے لے کر حضرت سلیمان تک کا دور جو تقریباً ایک سو برس پر محیط ہے، یہ سابقہ امت مسلمہ کی خلافت راشدہ کا دور ہے۔ گویا تاریخ کے حوالے سے بتایا جا رہا ہے کہ اے امت مسلمہ! تم میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کر دیں گے انہیں ہم لازماً خلافت عطا کریں گے جس طرح تم سے پہلوں کو عطا کی تھی۔

اس آیت مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات نوٹ کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے لئے عربی زبان میں تاکید کا جو سب سے زیادہ موثر اور بلیغ اسلوب ممکن تھا اس کو تین بار دہرایا ہے۔ (i) ليستخلفنهم فى الارض "لازماً انہیں خلافت عطا کرے گا"۔ پھر اسی اسلوب میں فرمایا :(ii) وليمكنن لهم دينهم "اور پھر ان کے اس دین کو تمکن عطا کرے گا"۔ اور پھر ارشاد ہوا : (iii) وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا "ان کی خوف کی حالت کو جو اس وقت ان پر طاری ہے، امن میں بدل دے گا"۔

اگرچہ یہ ایک ہی مضمون کی تکرار ہے لیکن قرآن حکیم کی تکرار کی بھی ایک عجیب شان ہوتی ہے۔ ع اک پھول کا مضموں ہو تو سو طرح سے باندھوں۔

قرآن حکیم میں ایک ہی مضمون کو مختلف اسالیب میں بیان کیا جاتا ہے مگر اس تکرار سے کلام کی تاثیر اور دلکشی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

پھر یہ جو فرمایا کہ "اور ان کے اس دین کو تمکن عطا کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے" تو یہ وہی بات ہے جو سورۃ المائدہ میں آخری دین کے بارے میں آئی ہے: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا "آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کی تکمیل کر دی' تمہارے لئے اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا اور تمہارے لئے اب اسلام کو (تا قیام قیامت) دین کی حیثیت سے پسند کر لیا"۔

متذکرہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ وہ دین جسے اللہ نے پسند کیا ہے وہ مغلوب نہیں رہے گا بلکہ اسے غلبہ اور تمکن حاصل ہو گا۔

یہی بات تیسری بار اس طرح بیان فرمائی: ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعنی "ان کی خوف کی حالت کو (جو اس وقت ان پر طاری ہے) امن میں بدل دے گا"۔

سورۂ نور کی یہ آیات ۵ھ کے اواخر یا ۶ھ کے شروع میں نازل ہوئی تھیں' اور جیسا کہ معلوم ہے ۵ھ ہی میں غزوۂ احزاب ہوا تھا جب عرب کی مجموعی قوت نے کئی دن تک مدینہ کا شدید محاصرہ کر لیا تھا۔ ۱۲ ہزار کا لشکر حملہ آور ہوا تھا اور مسلمانوں پر شدید آزمائش کی گھڑی تھی۔ خود قرآن حکیم کہتا ہے: وزلزلوا زلزالا شدیدا یعنی "اہل ایمان شدید طور پر ہلا مارے گئے"۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ نکلا کہ منافقین کا نفاق ان کی زبانوں پر آ گیا۔ گویا ان کا خبث باطن ظاہر ہو گیا۔ اس وقت یوں لگتا تھا جیسے لق و دق صحرا میں ایک دیا روشن ہے جسے بجھانے کے لئے ہر طرف سے آندھیاں چل رہی ہیں۔ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ ابھی ہوازن کا بڑا قبیلہ حملہ آور ہو جائے گا' نجد کے قبائل یورش کر دیں گے' یا کہیں خیبر کے یہودی ہی نہ ٹوٹ پڑیں' یا پھر جنوب کی طرف سے قریشی نہ چڑھ دوڑیں۔ یہ وہ حالات تھے جن میں بشارت دی گئی کہ ان کی اس خوف کی کیفیت کو ہم امن سے بدل دیں گے۔

سورۂ نور کی مذکورہ بالا آیت مبارکہ کا یہ حصہ بہت ہی اہم ہے کہ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا یعنی "(جب میں ان کو غلبہ عطا کر دوں گا تب) وہ میری ہی بندگی کریں گے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے"۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی مسلمان اگرچہ خوف کی حالت ہی میں تھے لیکن بندگی تو اللہ ہی کی کرتے تھے۔ پھر اب غلبہ دین اور خوف کے خاتمے کے ساتھ بندگی کو کیوں معلق کیا گیا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ توحید اس وقت تک ناقص ہے جب تک اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے۔ جسے قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے ویکون الدین کلہ للہ یعنی "دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے"۔ غیر اللہ کی حاکمیت کی کامل نفی ہو جائے۔ غیر اللہ کی حاکمیت کا تصور ہی سب سے بڑا شرک ہے۔ سورۃ المائدہ میں آیا ہے: "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون .... الفاسقون .... الکافرون" یہی وجہ ہے کہ جب تک نظام خلافت قائم نہیں ہو جاتا تب تک افراد تو موحد ہو سکتے ہیں' لیکن نظام بہرحال کافرانہ و مشرکانہ ہی رہتا ہے۔ چنانچہ دراصل توحید کی تکمیل ہی اس وقت ہو گی جب یہ تین وعدے پورے ہو جائیں گے۔

سورۂ نور کی آیت مبارکہ کا اختتام اس طرح ہو رہا ہے: ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون "اور جو اس کے بعد بھی کفر کریں وہ تو نہایت ہی سرکش لوگ ہیں"۔

اس آیت میں فاسق بعینہٖ اس معنی میں آیا ہے جس معنی میں ابلیس کو سورۂ کہف میں "فاسق" کہا گیا ہے: کان من الجن ففسق عن امر ربہ "وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے خلاف سرکشی اختیار کی"۔ گویا یہاں فسق' سرکشی اور بغاوت کے معنوں میں آیا ہے۔

اور یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ "اس کے بعد جس نے کفر کیا" تو اس آیت میں کفر کا مفہوم بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔ کفر دراصل دو معانی کے لئے آتا ہے۔ ایک تو کفر اصطلاحی ہے جس کا مطلب ہے اسلام کا انکار' توحید کا انکار' رسالت کا انکار یا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرنا ہے۔ جبکہ دوسرا کفر وہ ہے جو شکر کے مقابلے میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آتا ہے: لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید "اور اگر میری نعمتوں کا شکر کرو گے (قدر دانی کرو گے) تو میری طرف سے ان میں اضافہ ہو گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو پھر (یاد رکھو) میرا عذاب بڑا سخت ہے"۔ بالکل اسی طرح سورۂ لقمان میں بھی کفر' شکر کے مقابلے میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے: ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللہ غنی حمید "جس نے شکر کی روش اختیار کی تو اس نے اپنے ہی بھلے کے لئے کیا اور جس نے کفران نعمت کا وطیرہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ غنی ہے (اس کو کسی کی حمد و ثنا کی حاجت نہیں) حمید ہے (وہ اپنی ذات میں اچھی صفات سے متصف ہے)"۔

سورۂ نور کی جس آیت پر گفتگو ہو رہی ہے اس میں کفر کے یہ دونوں ہی معانی مراد ہیں۔ چنانچہ یہ معنی بھی مراد ہیں کہ

(۱) "جب اسلام کا غلبہ ہو جائے گا پھر بھی جو لوگ کفر پر اڑے رہیں تو گویا وہ شیطنت کا مجسمہ ہیں"۔ کیونکہ غلبہ کفر کی حالت میں تو کوئی عذر ہو سکتا ہے کہ مجبوری ہے۔ حالات کا دباؤ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس حالت میں دین کا دامن فقط ارباب ہمت ہی تھام کر رکھیں گے۔ یہی لوگ نظام باطل سے ٹکرانے کی ہمت کر سکیں گے لیکن دین کے غلبہ کے بعد تو اکثریت کے لئے دین پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ چنانچہ اس غلبے کے بعد بھی جو کفر پر اڑے رہے گویا اس میں سرے سے کوئی خیر ہے ہی نہیں۔

(۲) اس کا دوسرا مفہوم بھی ہے جو زیادہ تر ہم سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے اتنے پختہ وعدوں کے بعد بھی اگر آپ کمر ہمت نہیں باندھتے تو گویا ہمارے وعدوں کی بڑی ہی ناقدری کر رہے ہو۔

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس آیت مقدسہ میں جو وعدے ہیں' وہ مشروط ہیں ایمان اور عمل صالح سے۔ گویا نام کے مسلمانوں سے اللہ کا وعدہ نہیں ہے۔ ایمان و عمل کی ذمہ داری تم پوری کرو گے اور اس کا حق ادا کرو گے تو خلافت عطا کرنے کا وعدہ ہم پورا کریں گے۔

سورۂ نور کی زیر بحث آیت مبارکہ کا ایک اور اہم پہلو بھی ہے ہمارے ہاں

کچھ لوگ "خلفاء ثلاثہ" کی خلافت ہی نہیں ان کے ایمان و اعمال صالحہ کے بھی منکر ہیں۔ مگر یہ آیت ان کے سارے دعووں کی نفی کامل کرتی ہے۔ چنانچہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی معرکتہ الآراء تصنیف "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں جن آیات پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے ان میں سے پہلی آیت یہی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے استدلال کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے ---- کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنے پختہ وعدے موجود ہیں تو ان وعدوں کا مصداق آخر خارج میں بھی تو ہو گا اور اگر اس آیت کا خارج میں کوئی مصداق نہیں ہے تو گویا اللہ کا وعدہ' معاذ اللہ' اب تک جھوٹا ثابت ہوا ہے۔ البتہ اگر خلفاء راشدین کا دور "خلافت" کا دور مان لیا جائے تو قرآن حکیم کی شہادت کے مطابق یہ خلفائے ثلاثہ ایمان و عمل صالح کا حق ادا کرنے والے ٹھہرتے ہیں۔ گویا یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان اور عمل صالح کے مصداق کامل تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہوا ہے ورنہ یہ لوگ اس آیت کو قرآن حکیم سے اب تک اس طرح کھرچ چکے ہوتے کہ اس کے وجود کا سراغ تک نہ ملتا۔

اب سورۂ صف کی آیت ۸۔۱۴ سے متعلق بھی چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ پہلے آیات پر ایک نگاہ پھر ڈال لیں: یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم' واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرونO ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکونO یایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارہ تنجیکم من عذاب الیمO تومنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم' ذلکم خیرلکم ان کنتم تعلمونO یغفرلکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھر ومسکن طیبہ فی جنت عدن' ذلک الفوز العظیمO واخری تحبونھا' نصر من اللہ وفتح قریب' وبشر المومنینO "چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے' اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے۔ ایمان والوں میں بتلاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب دردناک سے۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی جان سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ بخشے گا وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی۔ اور ایک اور چیز دے جس کو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے اور فتح جلدی اور خوشی سنا دے ایمان والوں کو"۔

ان آیات میں سے پہلی آیت بہت ہی اہم ہے۔ چنانچہ اس سے متعلق دو نہایت ضروری باتیں میں کسی قدر وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یریدون (وہ چاہتے ہیں) کا فاعل کون ہے اور "وہ" کا اشارہ کس کی طرف ہے؟ کن کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دینے کے درپے ہیں؟

اس آیت سے پہلے سورۂ صف میں سابق امت مسلمہ یعنی یہود کا تذکرہ چلا آ رہا ہے کہ انہوں نے سیدنا موسیٰؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا' حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا تھا اور یہ کہ وہ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں۔ یہ سابقہ امت مسلمہ کے تین ادوار کا ذکر ہے جو سورۂ صف کے پہلے رکوع میں انتہائی جامعیت کے ساتھ آ گیا ہے۔ تو گویا اس آیت میں یہود ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے اسی آیت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پھر یہود ہی کے بارے میں یہ بات کیوں کہی گئی کہ وہ اللہ کے نور کو گل کرنا چاہتے ہیں۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت مسلمانوں کے جو دشمن موجود تھے ان پر ایک نگاہ ڈالنی ہو گی۔ ان میں سے ایک تو مشرکین تھے جن کے سرخیل قریش مکہ تھے مگر یہ بہت بہادر اور جری لوگ تھے۔ سامنے سے حملہ کرتے تھے۔ جبکہ دوسرے دشمن تھے یہود۔ یہ انتہائی بزدل تھے۔ ان کے بارے میں سورۂ حشر میں آیا ہے کہ یہ کبھی کھلے میدان میں مقابلہ نہیں کریں گے۔ ہاں چھپ کر قلعوں کے اندر سے پتھراؤ کریں گے۔ ابوجہلؓ نے تو اپنے دین کے لئے بہرحال گردن کٹوائی مگر ان میں اس کی ہمت نہیں یہ تو صرف پھونکوں سے کام چلانا چاہتے ہیں کیونکہ سازشوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں ہے مگر ان کی سازشوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون "اللہ تعالیٰ اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو" اسی مضمون کی آیت سورۂ توبہ میں بھی معمولی فرق کے ساتھ وارد ہوئی ہے: یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم' واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرونO "وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے گل کرنا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا۔ خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔ یہاں پر بھی تذکرہ یہود ہی کا ہے۔ اس آیت پر میں زور اس لئے دے رہا ہوں کہ آج کے حالات میں اسی صورتحال کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

آگ ہے' اولاد ابراہیم ہے' نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

بعینہٖ یہی کیفیت یہود کی آج بھی ہے۔ اس وقت صیہونیت جس طرح اسلام کے اس نور کو بجھانے کی فکر میں ہے اور جس تیزی سے یہود اپنے منصوبے روبہ عمل لا رہے ہیں' اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ دنیا کی Sole Supereme Power کے سر پر وہی سوار ہیں۔ انہوں نے پوری دنیا میں "اسلامک فنڈامنٹلزم" کا ہوا بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ آج بھی آپ اس آیت کے بین السطور میں پڑھ لیجئے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون○ "وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدیٰ (یعنی قرآن حکیم) اور دین حق دے کر تاکہ غالب کردے اس کو کل کے کل دین پر یا پورے نظام زندگی پر یا ادیان باطلہ پر خواہ مشرکوں کو یہ بات ناپسند ہو"۔

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت بڑی اہم ہے کہ جب تک نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت کا صحیح صحیح فہم حاصل نہ ہو' سیرۃ النبی سمجھ میں نہیں آسکتی' نہ ہی قرآن حکیم کا گہرا فہم و ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ بات میں دراصل امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے کر رہا ہوں۔ جنہوں نے اس آیت مبارکہ کو پورے قرآن کا عمود قرار دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی بھی بڑی شخصیت کے کارناموں اور کاوشوں کی قدر و قیمت معین کرنے اور ان کے اثرات کا صحیح صحیح اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کا مقصد معین ہو جائے۔ تب ہی تو آپ تجزیہ کر سکیں گے کہ وہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہی اور کتنی ناکام۔ اس نے اپنا ہدف کس طور سے اور کس حد تک حاصل کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت صرف تبلیغ نہیں ہے بلکہ غلبہ دین حق ہے۔ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے۔ اگر فقط تبلیغ کرنی ہوتی تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہاتھ میں تلوار نہ لیتے۔ لیکن غلبہ دین حق کے لئے ہاتھ میں تلوار لئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اسی حقیقت کے منکشف ہونے سے تو ساری بات کھلتی ہے۔ تبلیغ تو بدھ مت کے بھکشو بھی کرتے ہیں۔ آخر یہ عیسائی مشنری بھی تو تبلیغ میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر یہ تبلیغ جس سطح پر کر رہے ہیں اس میں کسی تصادم کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ اس لئے کہ محض تبلیغ کے کچھ اور تقاضے ہوتے ہیں' جبکہ غلبہ دین کے کچھ اور تقاضے ہیں۔ نبی اکرم کا مقصد بعثت ہی غلبہ دین حق ہے۔ اسی لئے فرمادیا کہ یہ مشرکوں کو بہت ہی ناگوار ہو گا۔ یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہئے کہ مشرک ہے کون؟ ہر وہ شخص یا ادارہ جو دین حق کے مقابلے میں کوئی اور نظام آپ کے سامنے رکھے وہ مشرک ہے۔ مگر ہم نے شرک کو صرف چند عقائد تک محدود کر دیا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام

بقیہ : حدیث امروز

کر دیا ہے کہ "حکومت ۶ ہفتے میں ختم ہو سکتی ہے"۔ حکومت ختم ہو یا نہ ہماری اقتصادی بدحالی کا مداوا حکومت کی تبدیلی سے نہیں بلکہ ذہن و عمل میں انقلابی تبدیلی سے ہو گا۔ اس کے لئے سہل طریقہ تو یہ ہے کہ قوم کے "مترفین" (خوشحال) لوگ راہ راست اختیار کرلیں۔ تاہم ہماری پچاس سالہ قومی تاریخ کے پیش نظر یہ ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ اس کا دوسرا حل یہ ہے کہ عوام حکومت کے انتخاب میں دیانت سے کام لیں ورنہ اپنے مقدر کا رونا تو روہی رہے ہیں' روتے رہیں گے۔○○

بقیہ : مکتوب کراچی

ہے' ایک کتاب ہے' ایک رسول ہے۔

یہ کام کون کرے گا؟ ہم میں سے ہر فرد اس کام کے لئے مسئول ہے۔ اگر ہم اس زمین پر باعزت زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسلام کے اصولوں کو اپنانا ہو گا' منافقت ترک کر کے اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ہو گا۔

اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو پھر ہم جس صورتحال سے دوچار ہیں اس سے بدتر حالات سے دوچار ہوں گے۔

ع ہماری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

KHALID TRADERS
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

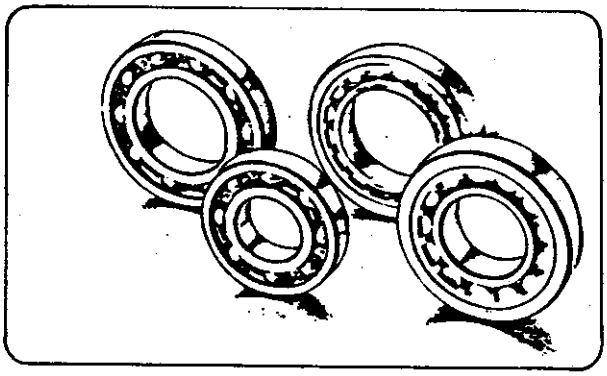

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

بین الاقوامی "اسلامی اتحاد" کا اصل محرک اسلامی تحریکوں کی سرکوبی تھا

پاکستان کی معاہدہ بغداد میں شمولیت اسلامی بلاک کے قیام سے انحراف کے مترادف تھی

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان تحریر : عمران ابن حسین

مکہ سربراہی اسلامی کانفرنس۔ اگست ۱۹۵۴ء

ناصر کی وہ کوشش بالآخر رنگ لائی جو وہ پاکستانی راہنماؤں اور سعود بن عبدالعزیز کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے اور ۸ / اگست ۱۹۵۴ء کو مکہ میں سہ فریقی اسلامی سربراہی کانفرنس شروع ہو گئی۔ سعودی عرب کی نمائندگی شاہ سعود نے اپنے بھائی اور وزیر اعظم، فیصل بن عبدالعزیز کے ہمراہ خود کی۔ پاکستان سے سربراہ مملکت غلام محمد اور وزیر اعظم، محمد علی بوگرہ نے شرکت کی۔ البتہ مصر کی نمائندگی صدر، جنرل نجیب کی بجائے ناصر اور سادات نے کی جو بہ ظاہر تعجب انگیز بات تھی لیکن اس سے بین الاقوامی سطح پر یہ باور کرانا مقصود تھا کہ مصر میں اصل طاقت ناصر اور اس کے ساتھی ٹولے کے ہاتھ میں ہے اس کے علاوہ مصر کے اندر بھی اس اقدام سے رائے عامہ یقیناً متاثر ہوئی ہو گی۔

اس سربراہی کانفرنس میں چند دیگر ممالک اور بعض اہم شخصیات نے بھی شرکت کی تھی۔ شخصیات میں پرنس علی اور مراکو کے علال الفسی (Allal al Fassi) کا نام آتا ہے اور ممالک تھے سوڈان، ہندوستان، لنکا، انڈونیشیا، شام اور عراق (شام کی نمائندگی اور عراق کی نمائندگی سعودی عرب میں مقیم ان کے سفیروں نے کی)۔

کانفرنس نے اپنا نام "اسلامک کانگریس" اختیار کر لیا اور جنرل سیکرٹریٹ کے لئے جگہ کا انتخاب قاہرہ میں کیا جانا طے پایا۔ انور سادات نے پہلے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ مصر نے ان کے لئے خاص طور پر کوشش کی تھی یعنی یہ کہ سیکرٹریٹ اور سیکرٹری جنرل کا تعلق مصر سے ہو جو ان کی تھڑدلی کا مظہر تو تھا ہی، سعودیوں کے احساسات سے بھی انہوں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ بہرحال اس سے سعودیوں کے جوش و خروش میں کمی آنا قدرتی بات تھی، لیکن ناصر چونکہ الاخوان کو نیچا دکھانے کی دھن سوار تھی اس لئے اس کے لئے یہ کامیابی بڑی اہم تھی کہ کانفرنس کا سیکرٹریٹ قاہرہ میں قائم ہو رہا تھا اور سیکرٹری جنرل بھی مصر کا مقرر ہوا تھا۔

کانفرنس نے جو سیاسی فیصلے کئے ان میں اسلامی ممالک کے باہمی اتحاد کو مضبوط بنانے کا فیصلہ خاص طور پر قابل ذکر تھا۔ اس اتحاد کا اصل مقصد مشترک دشمن، یعنی مقامی اسلامی تحریکوں کے خلاف ایک دوسرے کو مدد فراہم کرنا تھا۔

کانفرنس سے ناصر کے واپس مصر آنے تک اخوان کے خلاف میدان گرم ہو چکا تھا چنانچہ ۲۶ / اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ناصر پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا جس کے چند گھنٹوں کے اندر اندر اخوان کے سرکردہ راہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ عدالت نے حملے کا ذمہ دار اخوان کو قرار دیا جس پر حکومت نے اس تحریک پر پابندی لگا دی۔ ادھر نجیب کو بھی قاتلانہ حملہ کی اس سازش میں ملوث قرار دے کر ۱۴/ نومبر ۱۹۵۴ء کو عہدہ صدارت سے برطرف کر کے گھر میں نظربند کر دیا گیا۔ اخوان کے سات ارکان کو جن میں اخوان کی سپریم کونسل کے عبدالقادر عودہ اور شیخ محمد الفرغالی جیسے اہم رکن شامل تھے، پھانسی دے دی گئی۔

اس وقت تک مختلف مسلمان ممالک میں اسلامی اتحاد کے لئے دو سطحوں پر کوشش ہو رہی تھی ایک سرکاری سطح پر اور دوسری غیر سرکاری سطح پر۔ مصر میں اخوان کو کچل کر حکومت اسلام کی اجارہ دار بن گئی۔ نومبر ۱۹۵۴ء میں اخوان کے خلاف کارروائی سے قبل اسی ماہ حکومت نے مکہ کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کا کام مکمل کر لیا تھا تاکہ اخوان کے خلاف کارروائی پر کوئی ردعمل ظاہر ہو تو حکومت کانگریس کو بطور ڈھال استعمال کر سکے۔

مصر کی حکومت اپنے اندرونی حریف پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن بعض بیرونی طاقتیں اپنا کام جاری رکھے ہوئے تھیں۔ چنانچہ فروری ۱۹۵۵ء میں امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ، جان فاسٹر ڈلس کی کوشش کے نتیجے میں مسلمان ممالک پاکستان، ایران، عراق اور ترکی کو برطانیہ کے ساتھ شامل کر کے بغداد پیکٹ کے نام سے ایک معاہدہ وجود میں لایا گیا۔ امریکہ اگرچہ خود اس معاہدے میں باقاعدہ شامل نہیں تھا لیکن ظاہر ہے اسے اس کی سرپرستی حاصل تھی کیونکہ اسی کی کوششوں سے تو یہ وجود میں آیا تھا۔ مصر نے اسے اپنے خلاف ایک معاندانہ کارروائی قرار دیا اور خاص طور پر عراق کو ایک عرب ملک ہونے کی وجہ سے شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ادھر پاکستان کی اس معاہدے میں شمولیت ایک اسلامی بلاک کے قیام سے صریح انحراف تھا۔

نہر سویز کو قومی ملکیت میں لینے پر برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کے مصر پر حملے کے دوران مصر اور پاکستان کے تعلقات مزید خراب ہو گئے کیونکہ معاہدہ بغداد کے مسلمان ممبر ممالک اس حملے پر صرف احتجاج کر کے خاموش بیٹھے رہے۔ ادھر ناصر راتوں رات عرب دنیا کے ہیرو بن گئے اور جب تک وہ برسراقتدار رہے مصر اور پاکستان کے تعلقات میں بہتری نہ آ سکی۔ عربوں نے اتحاد اسلامی سے منہ موڑ کر عرب قوم پرستی کو اپنا لیا اور اس میں ایسے گم ہوئے کہ ۲۸ / جون ۱۹۵۶ء کو دمشق میں "جنرل اسلامک کانگرس" کا دوسرا سالانہ اجلاس شروع ہوا تو عالم اسلام، خصوصاً عالم عرب نے ادھر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

۱۹۵۷ء کے اوائل میں امریکی صدر آئزن ہاور نے اپنی نئی پالیسی کا اعلان کیا تو سعودی عرب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی جس سے سعودی عرب اور مصر کے تعلقات بھی جاتے رہے۔ بغداد پیکٹ کے ممبران بھی اس پالیسی کی حمایت کرنے والوں میں شامل تھے۔

۱۹۵۸ء میں امریکہ کی لبنان میں مداخلت سے نئی صورتحال پیدا ہو گئی۔ اسی سال عراق میں بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا اور ایک جمہوری حکومت نے اس کی جگہ لے لی، جس نے آتے ہی معاہدہ بغداد سے علیحدگی اختیار کر لی۔ سعودی عرب، ایران اور پاکستان کے لئے یہ تبدیلی اس لئے بھی تشویش کا باعث تھی کہ عراق کے انقلاب میں کمیونسٹوں کا ہاتھ تھا اور اس بات کا

امکان تھا کہ نئی حکومت میں ان کا خاص اثر ہو گا۔

حالات نے اس تیزی سے پلٹا کھایا کہ عالم اسلام ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا اور اتحاد اسلامی کا مسئلہ پس پشت چلا گیا۔ مکہ میں ہونے والی سربراہی کانفرنس کا یہ انجام ہوا کہ قاہرہ میں جو صدر دفتر قائم کیا گیا تھا سعودی عرب اور پاکستان نے اس سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ جنرل اسلامک کانگرس کا تیسرا سالانہ اجلاس جنوری ۱۹۶۰ء میں یروشلم میں منعقد ہوا اور ۱۹۶۲ء میں بغداد میں ورلڈ مسلم کانگریس کی میٹنگ بھی ہوئی مگر ان سے عالم اسلام میں کسی قسم کی ہلچل پیدا نہ ہو سکی۔

سعودی عرب : ۱۹۶۴ء میں سعودی حکمران خاندان نے شاہ سعود ابن عبدالعزیز کو اپنے بھائی فیصل ابن عبدالعزیز کے حق میں تخت چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شاہ سعود کی شاہ خرچیوں کے سبب مالی حالت انتہائی تشویش ناک ہو گئی تھی۔ شاہ اور ان کے بیٹوں کا رہن سہن شاہی خاندانوں کے لئے رسوائی کا باعث ثابت ہو رہا تھا۔ لیکن دوسری اور زیادہ اہم وجہ یہ تھی کہ ناصر جس مغرب مخالف' سوشلزم پر مبنی عرب قوم پرستی کو ہوا دے رہے تھے اس کا سدباب ضروری تھا اور اس کا توڑ سوائے اسلام کے کوئی نہ تھا۔ شاہ فیصل چونکہ اپنی ذاتی زندگی میں نہایت سادہ اور ایک نیک انسان تھے لہٰذا اسلام کے علمبردار کے طور پر وہ بہترین کردار ادا کر سکتے تھے۔

شاہ فیصل کو صومالیہ کے ایک غیر متوقع اور خوش آئند فیصلے کے نتیجے میں جلد ہی اپنا منصوبہ پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ دسمبر ۱۹۶۴ء کے اواخر میں امین الحسینی کی صدارت میں صومالیہ کے صدر مقام مغادیشو میں ورلڈ مسلم کانگریس کا اجلاس ہوا جس میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں لیکن ان میں ایک قرارداد ایسی تھی جس کا اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ اس قرارداد میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ تمام مسلم سربراہان مملکت کی ایک سربراہ کانفرنس بلائی جائے۔ چنانچہ ایک وفد صومالیہ کے صدر عدن عبداللہ عثمان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ مجوزہ سربراہی کانفرنس کے لئے سفارتی سرگرمیوں کی ذمہ داری وہ قبول کریں۔ عثمان نے یہ درخواست قبول کر لی۔

کانگریس نے اس کام کے لئے صومالی صدر کا انتخاب محض رواداری یا مروت میں نہیں کیا تھا بلکہ عالم اسلام کے حالات کو مدنظر رکھ کر کیا تھا۔ چونکہ صومالیہ ابھی نیا نیا آزاد ہوا تھا اس لئے تمام مسلمان ممالک کے نزدیک اس کی حیثیت ایک غیر جانبدار ملک کی تھی۔ مغربی ممالک کے ساتھ اس کے تعلقات ابھی اس نوعیت کے نہیں تھے جو اس کے بارے میں کسی شک و شبے کا باعث ہوتے۔ تیسری وجہ تھی کہ ایک افریقی ملک ہونے کی وجہ سے افریقی مسلمانوں کے لئے یہ ایک اعزاز تھا اور کوئی بھی عرب ملک اس کی مخالفت کر کے وہاں کے مسلمانوں کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

عثمان نے مسلمان سربراہان مملکت کے نام خطوط ارسال کئے اور انہیں مجوزہ اسلامی سربراہی کانفرنس کی ضرورت کا احساس دلایا۔ انہوں نے عقلمندی یہ کی کہ اس کے لئے خاموش حکمت عملی اختیار کی۔ مگر جواب میں انہیں صرف دو خطوط موصول ہوئے۔ ایک شاہ فیصل کا اور دوسرا صدر ایوب کا' ان دونوں نے مثبت ردعمل کا اظہار کیا تھا۔ صدر ناصر نے سرے سے جواب ہی نہ دیا۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ کھلی سفارت کاری سے قبل مزید کچھ انتظار کرتے اور پھر سب سے پہلے اپنے پڑوسی افریقی ممالک کی حمایت حاصل کرتے تاکہ انہیں پورے افریقی مسلمانوں کی نمائندگی حاصل ہوتی اس کے بعد سعودی عرب اور پاکستان کے ساتھ مل کر دوسرے مسلمان ممالک سے رابطہ کرتے اور انہیں اس کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے پہلے مرحلے میں ہی مسلمان ممالک کا رویہ دیکھ کر ہمت ہار دی اور مزید کوشش ترک کر دی۔

ان کے بعد شاہ فیصل اس کام کو لے کر آگے آئے۔ انہوں نے مئی ۱۹۶۵ء کے حج کے موقع پر ورلڈ مسلم لیگ (رابطہ العالم الاسلامی) کی قانون ساز اسمبلی سے افتتاحی خطاب کے دوران صومالی صدر کی اسلامی سربراہی کانفرنس کی تجویز کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد اگلے قدم کے طور پر دسمبر ۱۹۵۶ء میں ایران کا دورہ کیا اور اسلامی چوٹی کانفرنس کے انعقاد پر شاہ ایران کی تائید حاصل کی۔ ایران کے بعد چند ہی ماہ میں اردن' کویت' سوڈان' ترکی' پاکستان' مالی اور تیونس وغیرہ کے دورے کئے۔ لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ ان کو ایران کے دورے کے اختتام پر جو اعلان جاری کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ان کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ناصر نے اسے بنیاد بنا کر اس تجویز کو سختی سے ٹھکرا دیا جس کے بعد اس تجویز کا ناکام ہونا یقینی ہو گیا۔

ناصر پہلے تو انتظار کرتے رہے' کوئی دو ماہ بعد شام اور مصر کے "ادغام" کی سالگرہ تھی وہاں نظامت کے جوہر دکھائے۔ اسلامی سربراہی کانفرنس کو "اسلامی پیکٹ" کا نام دے کر اس پر بڑے زوردار حملے کئے۔ ناصر نے کہا کہ یہ تجویز معاہدۂ بغداد کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش ہے' مصر ایسی کسی بھی سازش کا منہ توڑ جواب دے گا جس کا مقصد اسلام کے نام پر رجعت پسند سامراج کو تقویت فراہم کرنا ہو۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی پیکٹ دراصل آزادی کی تحریکوں اور سماجی ترقی کے خلاف سامراجی طاقتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ ہے جس کا مقصد عرب عوام پر اپنا تسلط قائم رکھنا ہے اور جو مسلمان ممالک غیر وابستہ رہنا چاہتے ہیں انہیں سامراجی شکنجے میں جکڑنا ہے۔ ناصر کی حیثیت ویسے بھی گھر کے بھیدی کی تھی اس لئے اسے سعودی عزائم کو سمجھنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہو سکتا تھا۔

جس ماہ صدر ناصر نے یہ تقریر کی تھی اسی ماہ عراق کے صدر عبدالسلام عارف قاہرہ گئے اور صدر ناصر کے ساتھ بات چیت کرنے کے بعد بیان دیا :

"عرب ممالک پر کسی قسم کا بیرونی اتحاد ٹھونسنے کی کوشش کا وہی انجام ہو گا جو معاہدۂ بغداد کا ہوا ہے اس لئے کہ اب مسلمانوں کو خوش نما نعروں سے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا"۔ روسی وزیر اعظم' الیکسی کوسیجن نے مئی ۱۹۶۶ء میں قاہرہ کا دورہ کیا تو انہوں نے بھی یہی راگ الاپا اور کہا کہ "نام نہاد اسلامی اتحاد مسلمان عوام کے مفاد میں نہیں"۔

اس میں شک نہیں کہ سعودی کوشش کا اصل محرک قوم پرستی' جمہوریت اور لادین سوشلزم پر مبنی ناصری مہم کا سیاسی سطح پر مقابلہ کرنا ہی تھا اس لئے ناصر کا یہ کہنا غلط نہ تھا کہ سعودی کوشش کا مقصد اس کی آزاد خارجہ پالیسی کو ناکام بنانا ہے۔

سعودی کوشش کی ناکامی کے اور بھی کئی اسباب تھے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ سعودی عرب کو صومالیہ کی بجائے اس کام میں خود آگے آنا ہی نہیں چاہئے تھا کیونکہ مصر کے ساتھ پہلے ہی اس کے تعلقات خراب چل رہے تھے جن کی وجہ سے مصر اور دوسرے سوشلسٹ عرب ممالک کی طرف سے ان کی مخالفت ہونا متوقع تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ شاہ ایران کے ساتھ مشترکہ اعلان سے اپنی کوششوں کا آغاز کرنا کوئی عقلمندی نہیں تھی کیونکہ ایران ایک شیعہ ملک تھا جبکہ باقی سارا عالم اسلام سنی تھا' مزید برآں ایران نے اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ اقتصادی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ آخری بات یہ کہ ایران فوجی معاہدے' سینٹو کے حوالے سے مغرب کا حلیف ملک تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر ایران اور عرب کے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

پاکستان دنیا میں کہاں کھڑا ہے؟

امریکہ سے شائع ہونے والی کتاب "دی نیو بک آف ورلڈ رینکنگ" کے انکشافات

پاکستان میں مسئلہ پیداوار یا وسائل کی کمی کا نہیں، تقسیم پیداوار اور تقسیم وسائل کا ہے۔ امریکہ سے شائع ہونے والی ایک کتاب ہے "دی نیو بک آف ورلڈ رینکنگ" اسے جارج تھامس کرائن نے انتہائی محنت اور مکمل تحقیق کے بعد مرتب کیا ہے اور اس کا تیسرا ایڈیشن امریکن سنٹر کی لائبریری میں دستیاب ہے۔ اس کتاب میں تقریباً ہر موضوع پر دنیا کے دو سو کے قریب ممالک اور ریاستوں کی رینکنگ کی گئی ہے۔ تعلیم، صحت، صفائی، شادی، طلاق، جنسیات، شرح پیدائش، شرح اموات، گندگی، آلودگی، فنانس، بینکنگ، ٹریڈ، زراعت، صنعت، کان کنی، توانائی، لیبر، ٹرانسپورٹ، مواصلات، ہاؤسنگ، خوراک، کرائم ریٹ، میڈیا اور ثقافت غرض کوئی موضوع ایسا نہیں جسے چھوڑا گیا ہو۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ مختلف شعبوں میں ہم کہاں کھڑے ہیں۔

موجودہ آبادی

پاکستان کی موجودہ آبادی تیرہ کروڑ 40 لاکھ سے زائد ہے اور 199 ممالک کی فہرست میں آبادی کے لحاظ سے پاکستان دنیا کا دسواں بڑا ملک ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ آبادی چین کی ہے جو تقریباً سوا ارب نفوس پر مشتمل ہے۔ دوسرے نمبر پر بھارت ہے جو تقریباً ایک ارب نفوس تک جا پہنچا ہے۔ اس کے بعد امریکہ، انڈونیشیا، برازیل، جاپان، نائجیریا، اور بنگلہ دیش ہیں۔ سوویت یونین تیسرے نمبر پر تھا مگر اب وہ کئی ریاستوں میں بٹ چکا ہے۔ دنیا میں سب سے کم آبادی پیرے اور میکولون کی ہے جو صرف ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل ہے۔

شرح افزائش نسل

آبادی میں اضافے کے لحاظ سے پاکستان دنیا میں آٹھویں نمبر پر ہے جہاں ہر سال 45 لاکھ 30 ہزار بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس فہرست میں بھارت سب سے آگے ہے جہاں دو کروڑ 54 لاکھ 10 ہزار بچے ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چین کا نمبر جہاں دو کروڑ 15 لاکھ 87 ہزار بچوں کا سالانہ اضافہ ہوتا ہے۔ ٹاپ ٹین میں چین کے بعد سابق سوویت یونین، انڈونیشیا، نائجیریا، برازیل، بنگلہ دیش، پاکستان، امریکہ اور میکسیکو شامل ہیں۔ شرح اموات میں بھی بھارت اور چین پہلے اور دوسرے نمبر پر ہیں جبکہ پاکستان کا نمبر آٹھواں ہے۔ شرح اموات کے ٹاپ ٹین میں جاپان دسویں نمبر پر ہے۔

شہری آبادی

شہری آبادی کے لحاظ سے پاکستان 186 ممالک کی فہرست میں 128 نمبر پر ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ شہری آبادی برمودا، کیمن آئی لینڈ، کویت، مناکو اور سنگاپور میں ہے جہاں پوری کی پوری آبادی یعنی سو فیصد آبادی شہروں میں رہتی ہے۔ اس فہرست میں بھارت کا 140 واں نمبر ہے جہاں کی صرف 23 فیصد آبادی شہروں میں رہتی ہے۔ پاکستان میں 28.1 فیصد لوگ شہروں میں رہتے ہیں۔

شادیوں کی شرح

151 ممالک کی فہرست میں شادیوں کے لحاظ سے پاکستان دنیا کا دسواں ملک ہے جہاں ہر ایک ہزار کی آبادی میں 10.7 فیصد لوگ شادی شدہ ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ شادیاں انگولا میں ہوتی ہیں جہاں یہ شرح 22.2 فیصد ہے۔ اس فہرست میں ایران 22 ویں نمبر پر ہے جہاں پر شرح 8.9 فیصد ہے۔ بنگلہ دیش کا نمبر سولھواں ہے جبکہ لیبیا میں یہ شرح صرف 6 فیصد ہے اور وہ 82 ویں نمبر پر سٹینڈ کرتا ہے۔ دنیا میں سب سے کم شادیاں افغانستان میں ہوتی ہیں جہاں ایک ہزار میں یہ شرح 0.4 فیصد ہے جبکہ ملائشیا میں بھی بہت کم شادیاں ہوتی ہیں جہاں یہ شرح 0.8 فیصد ہے۔ عراق میں بھی حالات کی خرابی کے باعث شادیوں کا رجحان بہت کم ہو گیا ہے اور وہاں ایک ہزار میں صرف 4 افراد شادی شدہ نظر آئیں گے جبکہ ایران میں یہ صورتحال تسلی بخش ہے اور وہاں 8 فیصد لوگ شادی شدہ ہیں۔

شرح طلاق

لیجئے شرح طلاق میں پاکستان 102 ممالک کی فہرست میں بہت پیچھے ہے اور اس کا نمبر 87 واں ہے جہاں ایک ہزار جوڑوں میں سے صرف 0.3 کو طلاق ہوتی ہے۔ دنیا میں سب سے کم طلاقیں زائرے، موزنبیق اور کشمیر میں ہوتی ہیں جہاں یہ شرح 0.1 سے صفر تک ہے جبکہ سب سے زیادہ طلاقیں مالدیپ میں ہوتی ہیں، حالانکہ عام خیال یہ ہے کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، میکسیکو میں طلاق کا سب سے زیادہ رجحان ہے مگر مالدیپ میں ہر ہزار آبادی میں 25 جوڑے ایک دوسرے سے طلاق لے لیتے ہیں۔ اس فہرست میں امریکہ چوتھے اور برطانیہ گیارہویں نمبر پر ہے، جہاں علی الترتیب طلاق کی شرح 4.8 اور 2.8 فی ہزار آبادی ہے۔ اس فہرست میں مسلمان ممالک میں طلاق کی شرح یورپی ممالک سے کہیں کم ہے۔ اس معاملے میں بھارت پاکستان سے تھوڑا سا آگے ہے اور اس کا نمبر 83 واں ہے۔

خواتین کی آبادی

دنیا میں سب سے زیادہ خواتین کی آبادی کیپ وردے میں ہے جہاں صرف 46.3 فیصد مرد رہتے ہیں، باقی ریاست 53.7 فیصد عورتوں پر مشتمل ہے۔ مناکو، سوویت یونین، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، بوسٹوانا اور جنوبی یمن خواتین کی آبادی میں مردوں سے کہیں زیادہ ہے۔ آسٹریا، باربا ڈوس اور چاڈ میں بھی صورتحال یہی ہے۔ 202 ممالک کی اس فہرست میں بھارت کا 49 واں اور پاکستان کا 188 واں نمبر ہے، گویا بھارت میں 49.7 فیصد اور پاکستان میں 47.5 فیصد عورتیں موجود ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہونے کے باعث انہیں رشتے نہیں ملتے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق تو ہر ایک سو میں سے ڈھائی مردوں کو عورت نہ ملنے کے باعث

کنوارے رہ جانا چاہئے۔ دنیا میں سب سے کم عورتیں متحدہ عرب امارات اور قطر میں ہیں جہاں ان کا تناسب علی الترتیب 35.1 فیصد اور 32.8 فیصد ہے۔ اندازہ لگایئے ان ممالک میں پندرہ سے سترہ آدمیوں کے لئے عورتیں دستیاب نہیں ہیں۔

اسقاط حمل

پاکستان اس فہرست میں شامل نہیں ہے کیونکہ ایک اسلامی ملک ہونے کے ناطے یہاں اسقاط حمل قانونی طور پر ناجائز ہے مگر دنیا کے جن ممالک نے اسے ایک جائز عمل قرار دیا ہے ان میں سابق سوویت یونین سرفہرست ہے جہاں ایک ہزار میں سے 230 عورتیں اپنا حمل ساقط کر دیتی ہیں۔ دوسرے نمبر پر بلغاریہ ہے جہاں 108 عورتیں ایسا کرتی ہیں۔ امریکہ جو اس سلسلے میں بہت بدنام ہے وہاں کی ایک ہزار میں سے صرف 42 عورتیں اپنا حمل ضائع کراتی ہیں جبکہ کمیونسٹ ممالک رومانیہ' بلغاریہ' ہنگری' کیوبا' چیکوسلواکیہ اور گرین لینڈ میں یہ وبا عام ہے اور وہاں ایک ہزار میں سے 50 سے 100 تک عورتیں اسقاط حمل کرا لیتی ہیں۔ مسلمان ممالک میں صرف سنگاپور ایک ایسا ملک ہے جہاں ایک ہزار میں سے 47 عورتیں اسقاط حمل کراتی ہیں۔ بھارت میں اس کی بہت کم مثال ہے' یعنی دو نفوس فی ہزار۔ اس سلسلے میں بدنام ترین برطانیہ' فرانس' کینیڈا' اسرائیل اور پولینڈ ہیں مگر وہاں بھی اس کی شرح 16 سے 23 عورتیں فی ہزار ہے۔

مانع حمل ادویات کا استعمال

دنیا میں سب سے زیادہ مانع حمل ادویات برطانیہ میں استعمال ہوتی ہیں جہاں سو میں سے 83 خواتین یہ ادویات استعمال کرتی ہیں۔ بلجیئم' جرمنی' نیدرلینڈ' سویڈن' ماریشس' چین' سنگاپور' کینیڈا اور ہنگری اس ضمن میں ٹاپ ٹین ہیں' یہاں 73 سے 81 عورتیں مانع حمل ادویات کی عادی ہیں۔ 69 ممالک کی اس فہرست میں پاکستان کا گیارہواں نمبر ہے جہاں گیارہ فیصد عورتیں یہ ادویہ استعمال کرتی ہیں جبکہ بھارت اور مصر میں 35 عورتیں اولاد پیدا نہ کرنے کے لئے یہ ادویہ باقاعدگی سے استعمال کرتی ہیں۔ اب تو بنگلہ دیش میں بھی 25 فیصد عورتوں نے ان ادویات کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ مانع حمل ادویات کا سب سے کم استعمال یوگنڈا اور زائرے میں ہوتا ہے جہاں صرف ایک فیصد عورتیں کسی مجبوری کے تحت یہ ادویہ استعمال میں لاتی ہیں۔

طاقتور ممالک

سوویت یونین کی تقسیم سے پہلے امریکہ کے بعد سوویت یونین کو دنیا کا دوسرا بڑا طاقتور ملک سمجھا جاتا تھا۔ بعض لحاظ سے اسے امریکہ سے بھی زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ اس وقت فوجی' اقتصادی اور جغرافیائی

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا!

مقام شرم ہے کہ کرپٹ ممالک کی فہرست میں پاکستان کا شمار دنیا کے چوٹی کے ممالک میں ہوتا ہے

دیگر اسلامی ممالک' بنگلہ دیش' مصر اور انڈونیشیا بھی کرپشن میں کسی سے کم نہیں!

برلن میں قائم ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل (ٹی آئی) جس کا کام کرپشن کے خلاف جنگ ہے کا کہنا ہے کہ کاروباری لحاظ سے پاکستان کا شمار چوٹی کے تین بدعنوان ترین ممالک میں ہے۔ پہلے نمبر پر نائیجریا ہے اس کے بعد پاکستان اور پھر کینیا کا نمبر ہے۔ کم ترین بدعنوان ممالک میں نیوزی لینڈ پہلے نمبر ہے اس کے بعد ڈنمارک اور سویڈن آتے ہیں۔

ٹی آئی نے 1996ء کے لئے جو اشاریہ شائع کیا ہے وہ دس مختلف سروے رپورٹوں پر مبنی ہے جن میں کاروباری حضرات کے ۵۴ ممالک کے بارے میں تاثرات اور معلومات کو بنیاد بنایا گیا ہے ان ممالک کی صفر سے دس تک ہندسوں میں درجہ بندی کی گئی ہے۔ سب سے زیادہ بدعنوان ملک کو سب سے کم ہندسہ الاٹ کیا گیا اور سب سے کم بدعنوان ملک کو سب سے بڑا ہندسہ۔ مثلاً 10 کا ہندسہ ان ممالک کو ظاہر کرتا ہے جن میں سرے سے ہیرا پھیری کا کوئی امکان نہیں جبکہ صفر پر وہ ممالک ہیں جن میں خفیہ کاروباری سمجھوتوں اور کمیشن کا رواج گھر کئے ہوئے ہے۔

مذکورہ بالا اشاریہ میں نائیجریا (0.69)' پاکستان (1.00) اور کینیا (2.12) کے بعد بنگلہ دیش (2.29)' چین (2.43) اور کیمرون (2.46) آتے ہیں جبکہ دوسری جانب سب سے کم کرپشن والے ممالک میں نیوزی لینڈ (9.43)' ڈنمارک (9.33) اور سویڈن (9.08) کے بعد علی الترتیب فن لینڈ (9.05)' کینیڈا (8.96) اور ناروے (8.87) ہیں۔ ساتویں نمبر پر سنگاپور (8.80) ہے جو سوئٹزرلینڈ (8.76) کو پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ برطانیہ' جرمنی اور اسرائیل بالترتیب 12' 13 اور 14 ویں پوزیشن پر ہیں۔ خاصی حد تک پستی مائل مصر' کولمبیا' یوگنڈا' فلپائن اور انڈونیشیا ہیں جن کی 41 سے 45 تک پوزیشن ہے' ہندوستان 46 ویں نمبر پر ہے۔

بعض ممالک مثلاً ارجنٹینا' چین اور روس میں کرپشن کو فروغ حاصل ہو رہا ہے جبکہ انڈونیشیا اور پرتگال وغیرہ میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

ٹی آئی کے صدر نے ترقی پذیر ممالک میں کرپشن کے لئے ملٹی نیشنل کمپنیوں کو ذمہ دار قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ اس مسئلے کا سامنا ترقی پذیر ممالک کو ہے لیکن رشوت دینے میں ان کمپنیوں کو سبقت حاصل ہے جو ترقی یافتہ ممالک میں قائم ہیں لہٰذا ترقی یافتہ ممالک کے لئے یہ بات رسوائی کا باعث ہے کہ وہ اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنے والی کمپنیوں کے بارے میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔

(دی نیشن' 4 جون 1996ء)

لحاظ سے جن ممالک کو زیادہ طاقتور سمجھا جاتا ہے ان میں امریکہ کے بعد برازیل' جرمنی' جاپان' آسٹریلیا' چین' فرانس' برطانیہ اور کینیڈا شامل ہیں۔ طاقتور ممالک کی اس فہرست میں جن مسلمان ممالک کو شامل کیا گیا ہے ان میں انڈونیشیا' مصر' سعودی عرب' پاکستان' ترکی اور لیبیا شامل ہیں۔ 77 ممالک کی اس فہرست میں پاکستان کا نمبر 26 واں ہے اور جبکہ بھارت کو 20 واں نمبر دیا گیا ہے' بہرحال جمیکا' سنگاپور' البانیہ اور پرتگال دنیا کے کمزور ترین ممالک ہیں۔

فی کس غیر ملکی اقتصادی امداد

ایک سو گیارہ ممالک کی اس فہرست میں پاکستان 87 ویں نمبر پر ہے جس کے ہر شخص نے 7.50 امریکی ڈالر کی اقتصادی امداد حاصل کر رکھی ہے۔ اس فہرست کے لحاظ سے یہ کوئی اتنی تشویش ناک بات نہیں ہے۔ بحرین ایک ایسا ملک ہے جس کے ہر شخص نے 459 ڈالر کی امداد لے رکھی ہے۔ اس کے بعد اسرائیل 313.50' منگولیا 299.30' اردن 275.2' موریطانیہ 100' شام 92 اور یمن کے ہر شخص کے ذمے 83.30 ڈالر کی رقم واجب الادا ہے۔ اس فہرست میں بھارت کا 95 واں نمبر ہے جو بہرحال پاکستان سے کم مقروض ہے۔ بھارت کے ہر شخص کے ذمے محض 2.2 امریکی ڈالر واجب الادا ہیں۔ جنوبی کوریا دنیا کا سب سے کم مقروض ملک ہے۔

فوجی لحاظ سے دنیا کے طاقتور ترین ممالک

تربیت یافتہ افرادی قوت اور جدید ترین اسلحہ کے لحاظ سے جس طرح رینکنگ کی گئی ہے اس میں امریکہ عسکری لحاظ سے دنیا کا سب سے طاقتور ملک ہے۔ سوویت یونین اگر نہ ٹوٹتا تو دوسرے نمبر پر ہوتا' بہرحال اس وقت دوسرے نمبر پر چین ہے۔ پھر جرمنی' جنوبی کوریا' اسرائیل' فرانس' بھارت' ویت نام اور تائیوان ہیں۔ فوجی طاقت کے لحاظ سے پاکستان کا نمبر 22 واں ہے۔ اس کے باوجود بھارت جو اس رینکنگ میں آٹھویں نمبر پر آتا ہے' پاکستان کی فوجی قوت سے خائف رہتا ہے۔ اس فہرست میں برطانیہ کا نمبر بارہواں اور جرمنی کا سولہواں ہے۔ فوجی قوت کے لحاظ سے افغانستان کو ڈنمارک اور ایتھوپیا کے ساتھ مارک کیا گیا ہے جو نہ تربیت یافتہ افرادی قوت رکھتے ہیں اور نہ ہی جدید ترین اسلحہ سے لیس ہیں۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی فوجی قوت بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

کتنے فوجی افراد کے پاس اسلحہ ہے

چین میں ایک ہزار فوجیوں کے پاس چار ہزار مختلف قسم کے ہتھیار ہیں۔ امریکہ میں 2244 ہتھیار ایک ہزار فوجیوں کے پاس ہیں۔ ویت نام اور بھارت میں بھی ایک ہزار فوجی اپنی تعداد سے زیادہ اسلحہ رکھتے ہیں' تاہم پاکستان میں ایک ہزار فوجیوں کے پاس 479 ہتھیار ہیں۔ 126 ممالک کی اس فہرست میں فجی کے پاس سب سے کم ہتھیار ہیں' وہاں ایک ہزار فوجیوں کے پاس شاید تین بندوقیں ہیں۔

قومی پیداوار اور فوجی اخراجات

اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ فوجی اخراجات امریکہ کے ہیں جو دو لاکھ 37 ہزار ملین ڈالر سے زائد ہیں۔ سوویت یونین کا شیرازہ نہ بکھرتا تو اس کے فوجی اخراجات مجموعی طور پر دو لاکھ 25 ہزار ملین ڈالر ہوتے۔ فرانس' سعودی عرب' چین' جرمنی' عراق' جاپان اور ایران فوجی اخراجات کے لحاظ سے دنیا کے ٹاپ ٹین ممالک میں شامل ہیں۔ فوجی اخراجات کے لحاظ سے 136 ممالک کی اس فہرست میں بھارت کا نمبر 15 واں ہے جو ہر سال اپنی عسکری قوت پر 6301 ملین ڈالر خرچ کرتا ہے جبکہ پاکستان اس فہرست میں 35 ویں نمبر پر ہے اور اس کے فوجی اخراجات 2241 ملین ڈالر سالانہ ہیں' گویا بھارت سے تین گنا کم۔ اس کے باوجود بھارت ہر وقت پاکستان سے خائف رہتا ہے کہ وہ جنگی میدان میں بھارت کو ناک چنے چبوانے کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ پاکستان کے پاس اعداد و شمار کے حوالے سے نہ اتنی افرادی قوت ہے اور نہ جنگی صلاحیت' اس کے باوجود وہ اپنی قوت ایمانی کے دبدبے سے بھارت کو خائف رکھتا ہے۔ ایک اور مسلمان ملک انڈونیشیا کے جنگی اخراجات بھی ہم سے زیادہ یعنی تقریباً چار ہزار ملین ڈالر سالانہ ہیں حالانکہ اس کی سرحدوں پر اسے کوئی خطرہ بھی نہیں ہے۔ فوجی اخراجات کے حوالے سے گمبیا اور مارشیس سب سے کم خرچ کرنے والے ممالک ہیں جن کے سالانہ اخراجات محض تین اور ایک ملین ڈالر ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ عراق اپنی کل آمدنی کا 50 فیصد فوجی اخراجات پر اٹھا دیتا ہے جبکہ سعودی عرب 21 فیصد' یمن سترہ فیصد' شام اور اردن سولہ اور چودہ فیصد' پاکستان 6.1 فیصد اور بھارت 3.2 فیصد رقم اپنی فوجی اخراجات کی مد میں ڈالتا ہے جبکہ جاپان اپنی قومی آمدنی کا صرف ایک فیصد حصہ فوج کو دیتا ہے۔

قومی بجٹ اور فوجی اخراجات

افغانستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے کہ اپنے قومی بجٹ کا نصف سے زائد حصہ یعنی 62.7 فیصد دفاعی اخراجات پر لگا دیتا ہے۔ دوسرے نمبر پر عراق ہے جو پورے 50 فیصد بجٹ کو دفاعی فنڈ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اس فہرست میں یوگوسلاویہ' پیرو' اومان' تائیوان' موزمبیق' شام اور متحدہ عرب امارات شامل ہیں۔ پاکستان اس فہرست میں 20 ویں نمبر پر ہے جو اپنے بجٹ کا 27 فیصد حصہ دفاعی اخراجات کی مد میں ڈالتا ہے۔ آپ نے سیاستدانوں کے بیانات میں اکثر سنا ہو گا کہ پاکستان نے 65 فیصد یا 70 فیصد آمدنی فوج کو دے دی' ایسا نہیں ہے۔ نیو بک آف ورلڈ رینکنگ انتہائی چھان بین کے بعد تیار کی گئی ہے اور اس کی رو سے پاکستانی دفاع پر بجٹ کا 27 فیصد حصہ خرچ ہوتا ہے جبکہ بھارت اپنے مجموعی بجٹ کا 15.6 فیصد حصہ دفاع پر خرچ کرتا ہے۔ 145 ممالک کی اس فہرست میں جاپان 114 ویں نمبر پر ہے جو صرف 5.4 فیصد حصہ اپنے دفاع پر لگاتا ہے جبکہ مارشیس دفاع پر بالکل ہی خرچ نہیں کرتا' اسے محض 0.9 فیصد رقم فوج کو دینا پڑتی ہے۔

اسلحہ کی درآمد

اسلحہ کی درآمد میں بھارت دسویں اور پاکستان 19 ویں نمبر پر ہے۔ بھارت آٹھ سو ملین ڈالر سالانہ کا اسلحہ درآمد کرتا ہے جبکہ پاکستان 550 ملین ڈالر کا اسلحہ سالانہ حاصل کرتا ہے۔ 117 ممالک کی اس فہرست میں سب سے زیادہ اسلحہ عراق 7700 ملین ڈالر اور سعودی عرب 2600 ملین ڈالر کا درآمد کرتے ہیں۔ ایران' لیبیا' مصر' شام اور انگولا بھی بے تحاشا اسلحہ درآمد کرتے ہیں جبکہ جاپان 925 ملین ڈالر کا اسلحہ درآمد کرتا ہے اس فہرست میں یوگنڈا اور جنوبی افریقہ ایسے ممالک ہیں جو صرف 5 ملین ڈالر کا سالانہ اسلحہ درآمد کرتے ہیں۔

انتہائی غربت

دنیا میں انتہائی مفلسی اور ناداری کی شرح کیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں بنگلہ دیش میں 75 فیصد' بینن' برونڈی' چاڈ' ایتھوپیا' صومالیہ اور برکینا میں بھی 75 فیصد لوگ انتہائی غربت اور لاچاری کی زندگی گزار

رہے ہیں۔ افغانستان میں 63' انڈونیشیا میں 51' بھارت میں 36' پاکستان میں 34' اردن میں 19' فلپائن میں 16' سعودی عرب میں دس' یوراگوئے میں 6 اور ایران میں صرف 5 افراد غربت اور افلاس سے دوچار ہیں۔

دودھ کی پیداوار

پاکستان دودھ پیدا کرنے والے ممالک میں بھارت کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ بھارت میں ہر سال 24200 ملین میٹرک ٹن دودھ پیدا ہوتا ہے جبکہ پاکستان میں 8590 ملین میٹرک ٹن دودھ بازاروں میں آتا ہے۔ چین' ترکی' فرانس' مصر' سوڈان' یونان' ایران اور اٹلی دودھ پیدا کرنے والے ممالک میں ٹاپ ٹین پر ہیں۔ بنگلہ دیش کا نمبر 13' سعودیہ کا 23 اور لیبیا کا 39 واں ہے۔ 80 ممالک کی اس فہرست میں ری یونین اور بہاماس میں صرف ایک ملین میٹرک ٹن دودھ سالانہ پیدا ہوتا ہے۔

گندم کی پیداوار

گندم کی پیداوار میں پوری دنیا میں پاکستان کا نواں نمبر ہے۔ سب سے زیادہ گندم سابق سوویت یونین میں 92300 ملین میٹرک ٹن سالانہ پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے نمبر پر چین' پھر امریکہ اور پھر بھارت ہے جہاں ساڑھے چار ہزار سے نو ہزار ملین میٹرک ٹن سالانہ تک پیدا ہوتی ہے۔ کیمرون' چاڈ اور ماریطانیہ ایسے ممالک ہیں جہاں سال میں ایک ملین میٹرک ٹن بھی گندم پیدا نہیں ہوتی۔

افرادی قوت میں خواتین کا تناسب

مالی اور روانڈا میں 85 فیصد خواتین لیبر فورس میں شامل ہیں جبکہ جرمنی میں بھی 72 فیصد خواتین فیکٹریوں' کارخانوں' تعلیمی اداروں اور دفتروں میں کام کرتی ہیں۔ جاپان میں یہ شرح 59 فیصد ہے جبکہ برطانیہ سمیت بیشتر یورپی ممالک میں کام کرنے والی خواتین کی شرح 50 فیصد سے زائد ہے۔ بھارت میں 41 اور پاکستان میں سو میں سے صرف گیارہ خواتین مردوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ 136 ممالک کی اس فہرست میں یمن ایسا ملک ہے جہاں صرف 4 فیصد عورتیں کام کرتی ہیں۔

(خبریں' جمعہ میگزین۔ ۲۱/ جون ۹۶ء)

تعارف کتب

قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ

قادیانی مذہب کا ایک بڑا اصول ہے' جس سے عام تو کیا' خاص لوگ بھی بے خبر ہیں۔ وہ یہ کہ جناب مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی مذہبی زندگی کے دو دور ہیں۔ پہلے دور میں تو وہ انکسار جتاتے ہیں۔ خوب خوش اعتقاد اور عقیدت مند نظر آتے ہیں۔ انبیاء' اولیاء سب کو اپنا بڑا مانتے ہیں۔ سب کی عظمت کرتے ہیں' اتباع کا دم بھرتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ1 آپ کا والا نامہ پہنچا۔ خداوند کریم آپ کو خوش و خرم رکھے۔ آپ دقائق متصوفین میں سوالات پیش کرتے ہیں اور یہ عاجز مفلس ہے۔ محض حضرت ارحم الراحمین کی ستاری ہے۔ اس پیچ اور ناچیز کو مجلس صالحین میں فروغ دیا ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم کاروبار قادر مطلق سے سخت حیرانی ہے کہ نہ عابد نہ عالم نہ زاہد کیونکر اخوان مومنین کی نظر میں بزرگی بخشا ہے۔ اس کی عنایات کی کیا ہی بلند شان ہے اور اس کے کام کیسے عجیب ہیں..."

لیکن دوسرے دور میں حالت بالکل برعکس ہے۔ اول تو علانیہ نبی بن جاتے ہیں۔ پھر بڑھتے بڑھتے تقریباً تمام انبیاء و مرسلین سے صراحتاً یا کنایتاً بڑھ جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑے دعوے زبان پر لاتے ہیں۔ اچھے اچھوں کو نظروں سے گراتے ہیں اور اپنے واسطے انتہائی عقیدت کے طالب، نظر آتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قادیانی صاحبان اپنی تبلیغ میں تمام تر دور اول کی خوش عقیدگیاں پیش کرتے ہیں اور ان میں کافی تراوٹ ہے۔ ناواقف اور روادار مسلمان ان کی خوش عقیدگیوں سے خوش ہو کر خود ان کی عقیدت میں پھنس جاتے ہیں اور جب اچھی طرح متاثر ہو کر قابو میں آجاتے ہیں تو وہ ان کو دور دوم کے اعتقادات پر لاتے ہیں' جو چاہتے ہیں' منواتے ہیں۔ ایمان کی خوب گت بناتے ہیں۔ قادیانی تبلیغ کا یہ بڑا گر ہے۔ اچھے اچھے بے خبر ہیں۔ تحقیق کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں' دکھانے کے اور۔ مثلاً

"میرے رب نے میرا نام احمد رکھا ہے' پس میری تعریف کرو اور مجھے دشنام مت دو اور اپنے امر کو ناامیدی کے درجہ تک مت پہنچاؤ اور جس نے میری تعریف کی اور کوئی قسم کی تعریف نہ چھوڑی تو اس نے سچ بولا اور جھوٹ کا ارتکاب نہ کیا اور جس نے اس بیان کو جھٹلایا' پس اس نے جھوٹ بولا ہے اور اپنے خدا کے غصے کو بھڑکایا ہے۔"

یہ اقتباس ہم نے پروفیسر محمد الیاس برنیؒ کی مبسوط کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" سے لیا ہے۔ یہ کتاب پون صدی قبل طبع ہوئی تھی' اس عرصے میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ کتاب کی افادیت کے پیش نظر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' ملتان نے اس کا جدید ایڈیشن اپنے اہتمام میں شائع کیا ہے۔

یہ ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے جس میں قادیانیت سے متعلق بہت سے موضوعات اور گوشوں کا عمدگی کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔ قادیانیت کی اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید مطلب ہے۔

تعداد صفحات: 1128 قیمت: -/300

شائع کردہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' حضوری باغ روڈ' ملتان' فون 40978

اصلاح یا تبدیلی کی اصل ضرورت انتظامی سسٹم میں ہے

پاکستان میں انتظامی سسٹم، کرپشن اور ناقص کارکردگی کا ملغوبہ ہے

بہت کم زمیندار ایسے ہیں جو پیپلز پارٹی یا مسلم لیگ (ن) کی حمایت کے بغیر اسمبلی میں پہنچ سکتے ہوں؟

ایاز امیر

اس میں کوئی شک نہیں کہ کرپشن، مؤثر حکومت اور ماحولیات جیسے موضوعات کے بعد پاکستان میں اگر کوئی اور موضوع زیر بحث ہے تو وہ جاگیردارانہ نظام ہے۔ وہ مبصرین جنہوں نے ایک رات بھی کسی گاؤں میں بسر نہیں کی اور لمحہ بھر کے لئے بھی کسی پٹواری کو وڈیروں اور جاگیرداری کلچر پر آزادانہ اظہار خیال کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ملک کے تمام تر سیاسی مسائل کا ذمہ داران جڑواں مظاہر کو قرار دیتے ہیں۔

دراصل جاگیرداری نظام کے بارے میں یہاں بہت سخت غلط فہمیاں جنم لے چکی ہیں اور جاگیرداری نظام کے بارے میں کوئی بھی واضح نہیں ہے (ماسوائے اس کے کہ یورپ میں اس کے توسط سے پہلے تاجر طبقے اور بعد ازاں جمہوریت کو تقویت حاصل ہوئی) اور نہ ہی وسیع و عریض ملکیتی اراضی اور مزارعوں کے بارے میں کسی کی معلومات واضح ہیں۔ اگرچہ اب تو یہ جاگیرداری نظام بھی زیادہ طول و عرض کا پھیلاؤ نہیں رکھتا جیسا کہ ملکی تاریخ کی ابتدائی دو دہائیوں میں اس کی صورت تھی یا پھر جس طرح یہ ہمارے ڈیسکوں پر براجمان سیاسی تجزیہ نگاروں کے بے چین تخیلات میں وسعت پذیر ہے۔

پاکستان کے وہ علاقے جہاں ابھی تک وسیع و عریض ملکیتی اراضیات موجود ہیں، ان میں صوبہ سندھ اور سرائیکی بلٹ یا پنجاب کی جنوبی پٹی شامل ہیں۔ صوبہ سرحد میں ابتداء میں چند بڑی ملکیتی جاگیریں موجود تھیں مگر اب وہاں جاگیردار نہ ہونے کے برابر ہیں جنہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ پنجاب جو کبھی جاگیرداری روایت کا گڑھ ہوتا تھا، کے اکثر اضلاع میں بڑی بڑی ملکیتی اراضیات اب قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔ ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کی ناقص ارضی اصلاحات کا حاصل وراثت کے وہ قوانین ہیں جن کے طفیل بڑی بڑی ملکیتی اراضیاں چھوٹے چھوٹے کھاتہ داروں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔

اس ملغوبے کا نتیجہ نکالنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے یعنی میانوالی اور اٹک کے اضلاع میں تو ابھی تک چند بڑے بڑے زمیندار موجود ہیں لیکن راولپنڈی، چکوال، جہلم، منڈی بہاء الدین، گجرات، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لاہور، قصور، سیالکوٹ، نارووال، فیصل آباد اور ٹوبہ ٹیک سنگھ (بلاشبہ یہ فہرست اس سے بھی زیادہ طول کھینچ سکتی ہے) کے اضلاع میں بڑے زمینداروں کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ ان اضلاع کے اکثر زمیندار بہت تھوڑی زرعی اراضی کے مالک ہیں۔ یہ درست ہے کہ مرکزی اور جنوبی پنجاب کے ترش پھل (مالٹے، کینو، لیموں وغیرہ) آم اور کپاس کی کاشت کرنے والے کسان ہر سال بھاری منافع بٹورتے ہیں مگر ایسا اس لئے ممکن ہے کہ وہ نقد آور فصلیں کاشت کرتے ہیں۔ ضلع سرگودھا کی تحصیل بھلوال میں بھی مثال کے طور پر ۱۵ یا ۲۰ ایکڑ پر مشتمل چھوٹے کاشتکار بھی مالٹے کے باغات کے طفیل سالانہ اچھی آمدن حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ جاگیردار تصور نہیں کئے جاتے۔ زمینی اعتبار سے پنجاب میں جاگیرداری نظام مکمل طور پر ختم نہیں ہوا بلکہ یہ چھوٹے چھوٹے حصوں بشمول ڈیرہ غازی خان (لغاری، مزاری، کھوسے) ملتان، سرگودھا، بہاولپور اور رحیم یار خان کے کچھ حصوں تک محدود ہو چکا ہے۔

شہریوں میں عموماً ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ انہیں جو بھی دیہاتی نظر آئے اور اس نے سادہ لباس زیب تن کیا ہو اور پجارو (یا جیسا کہ آج کل ہے کہ ٹریکولر) میں محو سفر ہو، وہ اسے پکا جاگیردار سمجھ بیٹھتے ہیں۔ پنجاب کی صوبائی اسمبلی بلاشبہ دیہاتیوں کا جمگھٹا ہے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے ممبران کی اکثریت جاگیردار ہے بلکہ اس لئے کہ ان میں سے اکثر کا پس منظر دیہاتی ہے اور وہ دیہاتی حلقوں کی نمائندگی کرتے ہیں جس طرح ہر میمن، گجراتی یا چنیوٹی پیسے کا دھنی نہیں ہو سکتا بالکل اسی طرح ضروری نہیں کہ ہر پٹھہ، وڑائچ، ملک یا چوہدری جاگیردار بھی ہو۔

جاگیردارانہ نظام سے متعلق بحث مباحثوں میں اٹھائے جانے والے اکثر سوالات کا تعلق زمینوں کی وسعت سے نہیں بلکہ جاگیرداری نظام سے پیدا ہونے والے تباہ کن نتائج سے ہوتا ہے کیونکہ شہروں میں ہونے والی بات چیت میں عموماً جاگیرداری نظام کو سیاسی قوت کے مترادف قرار دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ پارلیمانی جمہوریت کو فروغ اس لئے حاصل نہیں ہو رہا کہ اسمبلیوں پر جاگیردار (اپنے زوال پذیر طور طریقوں سمیت) قابض ہیں۔ عوام الناس کی رائے کے مطابق اسمبلیوں میں جاگیردارانہ مفادات اس لئے غلبہ حاصل کر چکے ہیں کہ ملک کی اکثریتی آبادی کا تعلق دیہات سے ہے۔

> "پنجاب کی صوبائی اسمبلی بلاشبہ دیہاتیوں کا جمگھٹا ہے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے ممبران کی اکثریت جاگیردار ہے بلکہ اس لئے کہ ان میں سے اکثر کا پس منظر دیہاتی ہے اور وہ دیہاتی حلقوں کی نمائندگی کرتے ہیں"

سیاست میں جاگیرداری اثر و رسوخ کو اس وقت انتہائی تباہی کا سامنا کرنا پڑا، جب ۱۹۷۰ء میں بہت نامور جاگیرداروں کو پاکستان پیپلز پارٹی کے غیر معروف امیدواروں کے ہاتھوں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا لیکن ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں انہی جاگیرداروں میں

سے چند کو اپنے ساتھ ملا کر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے ہی وضع کردہ عمل کو ریورس گیئر لگا دیا اور یوں چالیس اور پچاس کی دہائی میں اور بھٹو صاحب کے اس عمل میں کوئی فرق نہ رہ گیا کہ جب جاگیردارانہ نظام کا سیدھا سادھا مطلب سیاسی قوت ہوتا تھا۔ آج پاکستان میں بہت کم ایسے زمیندار ہیں (اس سے قطع نظر کہ کتنے بڑے ہیں) جو پی پی پی یا پی ایم ایل (ن) کی حمایت کے بغیر اسمبلی میں پہنچ سکتے ہیں۔ یہی حقیقت سندھ پر بھی صادق آتی ہے کہ جہاں پی پی پی کا ٹکٹ ایک وڈیرے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جتوئی کو نواب شاہ سے جیتنے کے لئے پی پی پی کی حمایت کی ضرورت پڑتی ہے۔ متعدد مرتبہ شکست کے بعد ممتاز بھٹو نے (جو کوئی چھوٹا زمیندار نہیں) بھی ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں سندھ اسمبلی میں پہنچنے کے لئے ایسا ہی کیا۔ پیر آف پگاڑو کو متعدد بار پی پی پی کے امیدواروں سے شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ درحقیقت یہ پاکستانی سیاست میں ایک تبدیلی کی علامت ہے کہ لاڑکانہ میں بھٹو خاندان' لاہور میں نواز شریف (این اے ۹۵ء) ڈی جی خان میں لغاریوں اور مزاریوں اور مظفر گڑھ میں کھر (اور ممکنہ طور پر راولپنڈی میں شیخ رشید) کے علاوہ بہت ہی کم اور ایسے سیاستدان ہوں گے کہ جو اپنے انتخابی حلقوں کو محفوظ ترین قرار دے سکتے ہوں حتیٰ کہ اس فہرست میں بھی ڈی جی خان میں ایک ایسا علاقہ ہے کہ جہاں انتخابی کامیابی کے لئے جاگیردارانہ اثر و رسوخ کوئی فیصلہ کن عنصر قرار دیا جا سکتا ہے۔ بھٹو خاندان کو لاڑکانہ سے اس لئے کامیابی حاصل نہیں ہوتی کہ وہ بہت بڑے زمیندار ہیں (اس ضلع میں اور بھی بڑے زمیندار موجود ہیں) بلکہ اس لئے انتخابات میں کامیابی حاصل ہوتی ہے کہ وہاں ان کا قبائلی نام مشہور ہے' حتیٰ کہ کھر بھی اتنا بڑا جاگیردار نہیں ہے جتنا کہ تہمینہ درانی نے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا اپنے ضلع میں اثر و رسوخ اپنے سیاسی قد کاٹھ کی وجہ سے ہے جو کہ اس کے زمینداری قد بت سے مکمل طور پر علیحدہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس سب کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ پاکستان میں جہاں اقتدار کے حصول کے لئے سیاسی آئیڈیالوجی کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ انتخابی کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک پارٹی ٹکٹ کو ہی سب کچھ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ متوقع نتائج کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس سارے معاملے کو مقامی اثر و رسوخ سے بھی ہم آہنگ کیا جائے' لہٰذا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی جاگیردارانہ نظام ایک دم توڑتی ہوئی قوت ہے تو پاکستان میں دوسرے عناصر کون سے ہیں جو دیہاتی اثر و رسوخ میں شامل ہیں؟

اس ضمن میں مقامی انتظامیہ سے روابط سے بڑھ کر اور کوئی دوسری شے زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے جس میں پولیس' مجسٹریٹی اور محکمہ مال شامل ہیں۔ پاکستان میں انتظامی سسٹم' کرپشن اور ناقص کارکردگی کا ملغوبہ ہے۔ رشوت اور اثر و رسوخ کی چھڑی دکھائے بغیر اسے ایک قدم بھی آگے نہیں چلایا جا سکتا۔ ووٹوں کے حصول کے لئے ایک سیاستدان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے حلقے کے لوگوں کو ہمہ وقت "دستیاب" ہو کیونکہ حلقہ نیابت سے غائب رہ کر کامیابی حاصل کرنے والے دن تو اب لد گئے لیکن اس دستیابی کی سیاست کا فائدہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے اگر متعلقہ سیاستدان تھانہ اور کچہری کی سیاست کا شعور رکھتا ہو۔ ایک وقت تھا کہ جب جاگیردار یہی کردار ادا کرتا تھا۔ ان دنوں اس کی جگہ دیہات کی دوسری نمائندہ شخصیات نے لے رکھی ہے' ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنی نقدی' اجناس یا وہ جنہوں نے دوسرے "میدانوں" سے رقم اکٹھی کی ہے' کو خرچ کر سکتے ہوں۔ یہاں "دوسرے میدانوں" سے مراد ٹرانسپورٹ' ٹھیکیداری' ہلکی پھلکی صنعت یا خلیج کی کمائی ہے۔

لہٰذا اصلاح یا تبدیلی کی اصل ضرورت جاگیردارانہ نظام کے بچے کھچے برج میں نہیں بلکہ انتظامی سسٹم میں ہے جو ابھی تک جاگیردارانہ طرز سیاست کی آبیاری میں مصروف ہے۔ جب تک انتظامی سسٹم اپنی موجودہ شکل میں موجود ہے اس وقت تک دیہی آبادی ایسے امیدواروں جو قومی اور بین الاقوامی مسائل پر روانی سے بات چیت کر سکتے ہوں' کے بجائے مقامی ناؤٹوں پر ہی انحصار کرتی رہے گی۔

"ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کی ناقص اراضی اصلاحات کا حاصل وراثت کے وہ قوانین ہیں جن کے طفیل بڑی بڑی ملکیتی اراضیاں چھوٹے چھوٹے کھاتہ داروں میں تقسیم ہو چکی ہیں"

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جاگیردارانہ نظام کے خاتمے سے پاکستانی سیاست زیادہ بہتر طریقے سے مساوات کے اصول پر عمل پیرا ہو گئی ہے۔ اصل صورتحال اس سے بہت بعید ہے۔ اس سے صرف پاکستان میں نظام حکمرانی کے طریقہ کار میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اب یہ ملکی تاریخ کی پہلی دہائی کی طرح بیوروکریسی' فوج اور زمیندار طبقے کے درمیان اس سلیقے اور صفائی سے تقسیم شدہ کوئی شے نہیں رہ گئی۔ ان دنوں یہ حالت مختلف جزو (اور خطیر سرمایہ اور صنعت) باہمی رضامندی اور اقتصادی اور سیاسی مفادات کی یک رنگی کے باعث ایک دوسرے کے قریب آ چکے ہیں۔ ریٹائرڈ جرنیل اور بیوروکریٹس زمینوں اور انڈسٹری کے مالک ہیں۔ سابقہ زمیندار' صنعتی شخصیات ہیں۔ سابقہ صنعتی گھرانوں نے پرانے جاگیردار طبقوں سے شادیاں رچالی ہیں۔ ایک نیا مالدار طبقہ سیاست میں داخل ہو چکا ہے۔ سابقہ سماجی اقدار' اسی لئے زیادہ تر اپنی حیثیت کھو چکی ہیں۔

اگر عقیدۂ مساوات انسانی کا مقصد پیش نظر ہے تو پھر دشمن صرف جاگیردارانہ نظام نہیں ہے (جو ہر طرح سے' میں نے بتانے کی کوشش کی ہے کہ اپنی روایتی قوت کھو چکا ہے) بلکہ ایک پیچ در پیچ ایسی چند شخصی حکومت ہے جو ملک کی سماجی' سیاسی اور اقتصادی زندگی کو ہر طرف سے جکڑے ہوئے ہے۔ عوامی غیظ و غضب کا رخ پجارو پر سوار دیہاتی سیاستدانوں کی جانب موڑے رکھنے کا مطلب اس خاص طبقے کے ارتقائی عمل کو نظرانداز کئے رکھنا ہے جس کی لوٹ مار کی وجہ سے ملک پر مایوسی اور غم کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔

(بشکریہ : "خبریں")

بقیہ : احوال واقعی

سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تو کم از کم اس نعرے کو اپنے تعارف سے آگے نہ بڑھائیں۔ اس بنیاد پر سیاسی حقوق کی بات کی جائے گی تو سندھی قیادت کبھی اسے قبول نہیں کرے گی۔ بہتر تو یہ ہے کہ اس نعرے کو تج کر سندھ کے باشندے کی حیثیت کو منوایا جائے اور سندھیوں کو مطمئن کیا جائے کہ ہم سندھ کے مفادات کے خلاف نہیں۔ ویسے بھی مہاجر قومیت کے نعرے نے مہاجروں کو مصائب و آلام اور ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں دیا۔OO

معاشی طور پر ہندوستان کی مجموعی حالت پاکستان سے بہت بہتر ہے

ہندوستانی مسلمانوں کی نئی نسل پکی ہندوستانی بن چکی ہے

ثمین طاہر خان

ایک وہ وقت تھا کہ پاکستان کی ہاکی ٹیم جیت گئی تو دہلی میں رہنے والے مسلمان خوشی سے پھولے نہ سمائے اور انہوں نے مٹھائیاں تقسیم کیں۔ اسی طرح کلکتہ میں محمڈن سپورٹنگ کلب کا ایک دیوانہ فٹ بال میچ کے دوران پاکستانی پرچم اٹھائے گراونڈ میں گھس آیا مگر اب یہ باتیں قصہ ماضی بن چکی ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی نئی نسل پکی ہندوستانی بن چکی ہے۔ پاکستان کے بارے میں ان کی تلخی کسی بھی دوسرے ہندوستانی سے کم نہیں۔ مجھے سات سال بعد حال ہی میں ہندوستان جانے کا موقعہ ملا جہاں نوجوان نسل کو دیکھ کر میں ہکا بکا رہ گئی۔ جہاں بھی جاتا ہوا پہنچتے ہوئے سوالات کا سامنا کرنا پڑا۔ کراچی میں کیا ہو رہا ہے؟ جو بھی قتل و غارت ہو رہی ہے اس کا الزام بھارت کو ہی کیوں دیا جاتا ہے۔ تمہارے جیسے مسلمانوں سے تو یہاں کے ہندو بہتر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

لوگ پاکستان کے قیام ہی کو غلط سمجھتے ہیں۔ ان کی باتیں سن سن کر تھک گئی۔ جناح نے ملک کو تقسیم کرا کر یہ غلطی کی' وہ غلطی کی' یہاں تک کہ بعض لوگ جناح کو برطانیہ کا ایجنٹ قرار دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے' ان کا کہنا ہے کہ جناح نے پاکستان بنوا کر انگریز کی پھوٹ ڈالو اور مطیع بناؤ کی پالیسی کو فروغ دیا۔ وہ کہتے ہیں متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت مضبوط ہوتی' کسی ایک نے بھی پاکستان کے حق میں کلمہ خیر نہ کہا۔

ہندوستانی مسلمانوں میں ایک اور بات جو مجھے نظر آئی وہ ان کا ملک کی اکثریت کے رنگ میں رنگے جانے کا ذوق و شوق ہے۔ پہلے میں عام طور پر ہندو اور مسلمان میں تمیز کر لیا کرتی تھی مگر اس دفعہ یہ تمیز کرنا مشکل تھا بعض رشتہ داروں کو مل کر دکھ ہوا۔ جب میں نے ان کو بندیا اور مانگ میں سندھور پر ٹوکا تو انہوں نے حقارت سے میری بات کو ٹھکرا دیا۔ انہوں نے کہا ہم نے پاکستان ٹیلی ویژن دیکھا ہے' مملکت خداداد پاکستان میں لڑکیاں جس لباس میں نظر آتی ہیں ہندوستانی لباس اس کے مقابلے میں زیادہ شریفانہ ہے۔

بمبئی میں میرا قیام اپنے جس کزن کے ہاں تھا اس نے بعض مواقع پر اصرار کیا کہ میں پردہ نہ کروں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بمبئی میں مسلمان عورتیں بالکل سر پر دوپٹہ نہیں لیتیں؟ (میں نے کئی ایک برقع پوش خواتین دیکھی تھیں) اس نے کہا کہ تمہارا یہ پاکستانی انداز خواہ مخواہ لوگوں کو ادھر متوجہ کر لیتا ہے۔ بمبئی میں ایک نوجوان خاتون نے ہمیں آگے تک چھوڑنے کے لئے کہا۔ وہ کہیں سے مزدوری کر کے آ رہی تھی' ہم نے اسے بٹھالیا۔ چولی اور گھاگرا پہنے وہ کسی ہندوستانی فلم کا کردار لگ رہی تھی۔ چند ہی گز کے فاصلے پر ایک بس کا حادثہ ہو گیا تھا اور لوگ زخمیوں کی مدد کے لئے دوڑ رہے تھے۔ ہمارے ساتھ بیٹھی خاتون ایک دم چلائی ہائے بھگوان' میں اسی بس میں سوار ہونے لگی تھی' گھر جا کر دو رکعات نماز شکرانہ ادا کروں گی۔ اسے دیکھ کر مجھے اس کے مسلمان ہونے کا گمان بھی نہیں ہوا تھا۔

ہندوستانی مسلمانوں میں قوم پرستی کا جذبہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا کہ ہم سے تو یہ بھی نہ ہو سکا۔ ہمارے جو بزرگ ہندوستان میں رہ گئے تھے ان کے دل پاکستان کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ ۲۰ سالہ اظفر' جو ایک طالب علم ہے مجھے بتا رہے تھے کہ میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا' میں یہاں پیدا ہوا ہوں اس لئے مجھے اسی ملک سے پیار ہے' پاکستان تو اصل میں مجھے ویسے بھی پسند نہیں کیونکہ وہاں نری منافقت اور نمود و نمائش ہے۔ میں نے پوچھا کیا کبھی پاکستان گئے بھی ہو؟ میں نے اپنا خون کھولتا ہوا محسوس کیا۔ "نہیں" اس نے بڑے آرام سے جواب دیا' مجھے کیا پڑی ہے وہاں جانے کی۔

بی۔ جے۔ پی' بابری مسجد اور ہندوازم کے احیاء کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ باتیں مسلمانوں کے لئے تشویش کا باعث ثابت نہیں ہوں گی؟

ہم طویل عرصے سے ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر رہتے آئے ہیں۔ آپ نے جو مسئلے بتائے ہیں وہ مذہبی نہیں سیاسی ہیں۔ مسلمان ایک بہت بڑی طاقت ہیں۔ ہندوستان ہمارا اپنا ہے' ہمیں اپنے ہندوستانی ہونے پر فخر ہے۔ ہمیں یہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ بابری مسجد کا واقعہ افسوسناک تھا مگر کراچی کی طرح یہاں لوگوں کو اعتکاف اور تراویح کے دوران قتل تو نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا ہماری فکر نہ کرو' اپنی خیر مناؤ۔

احمد ایک سرکاری افسر ہے۔ وہ کہہ رہا تھا میں جو پہلے پریشان تھا سو اب بھی ہوں۔ میں نے اپنے ہندو دوست سے کہا کہ جس دن بابری مسجد پر حملہ ہوا میں نے اپنے آپ کو ہندوستانی سمجھنا چھوڑ دیا اب میں صرف ایک مسلمان ہوں۔ لیکن اس سے ہمارا مستقبل تاریک نہیں ہو گیا۔ اس کے بعد ہم زیادہ متحد اور باخبر ہیں اور ہماری طاقت سے لوگ واقف ہیں ہم نے ساتھ نہ دیا تو کانگرس کو شکست سے دوچار ہونا پڑا' بی جے پی جو چاہے کہے' مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کر سکتی۔

اور ہندوستانی مسلمانوں کی معاشی حالت کیسی ہے (کراچی واپس آئی تو زیادہ تر لوگوں نے یہی سوال کیا)۔ معاشی لحاظ سے پورا ہندوستان مجھے بہتر نظر آیا' وہاں کے مسلمانوں میں بھی بہتری کی جھلک نظر آتی ہے۔ ۱۹۸۸ء میں جن لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی اس مرتبہ ان میں سے اکثر کے پاس اپنی گاڑی اور ملازمت تھی بعض کے پاس نیا گھر بھی آ گیا تھا۔ البتہ ان کے رنگ ڈھنگ اور پاکستان مخالف جذبات سے صدمہ ہوا۔ یہاں جس حال میں ہوں مجھے اطمینان ہے کہ والدین (پٹنہ سے) یہاں آ گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان بنا تھا۔ ہندوستان میں ہر ایک مجھے پاکستانی کہتا اور فخر سے میرا سر بلند ہو جاتا لیکن پاکستان میں مجھے مہاجر کہا جاتا ہے۔OO

(دی یونیورسل میسج)

سیاست میں عوام سے زیادہ ان کے ووٹوں کی اہمیت ہوتی ہے

ایم کیو ایم کی فطری اتحادی جماعت پیپلز پارٹی ہے !

گیاہ ضعیف

جس وقت جماعت اسلامی اور ایم کیو ایم میں حالیہ مفاہمت کا آغاز ہوا تو یہ بات بڑی حیرت انگیز محسوس ہوئی۔ ویسے تو سیاست میں دشمنی یا دوستی مستقل بنیادوں پر نہیں ہوا کرتی اور کل کے دشمنوں سے آج دوستی ہو سکتی ہے لہٰذا ان معنوں میں تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی' البتہ جماعت اسلامی کے دینی تشخص کی بنیاد پر مجھے یہ بات حیرت انگیز محسوس ہوئی کہ جب کراچی کے عوام کو محاصروں' گرفتاریوں اور پولیس مقابلوں کے نتیجہ میں ذہنی' مالی اور جانی نقصان کا سامنا تھا تو اس وقت جماعت اسلامی کو ایم کیو ایم سے مفاہمت کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن ایک سیاسی ایشو یعنی بلدیاتی حلقہ بندی پر مفاہمت کی ضرورت پیش آ گئی۔ گویا سیاست میں عوام کی نہیں بلدیاتی حلقہ بندی کی اہمیت ہے۔ میں نے اس مفاہمت کے بارے میں اپنے ایک دوست کا خیال جاننا چاہا تو اس نے کچھ عجیب ہی بات کہی۔ اس نے کہا کہ جماعت اسلامی پہلے ایک جماعت تھی اب نہیں ہے۔ جماعت اسلامی فوج کی آلہ کار نہ تھی اب ہے۔ ایم کیو ایم پہلے فوج کی آلہ کار تھی اب نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اب نتیجہ خود ہی نکال لو۔

پاکستان کی سیاست میں فوج کے کردار سے ملک کا ہر وہ باشندہ باخبر ہے جو سیاست کی الف ب سے واقفیت رکھتا ہے۔ پاکستان کے سیاستدانوں کی نااہلی کی بناء پر مرحوم ایوب خان کو حوصلہ ملا اور اس نے ۱۹۵۸ء میں ملک میں پہلی مرتبہ مارشل لاء نافذ کیا۔ گو کہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ ملک میں جزوی مارشل لاء لگایا جا چکا تھا اور یہ قادیانی مسئلہ پر ہنگاموں کے نتیجے میں نافذ ہوا تھا لیکن مرحوم اسکندر مرزا کے لگائے گئے مارشل لاء نے ایوب خان کو دس سال کے لئے اقتدار بخشا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک محب وطن فوجی تھا لیکن اس کی سب سے بڑی غلطی فوج کو سیاست میں ملوث کرنا تھی۔ ایوب خان کے بعد یحییٰ خان کا مارشل لاء آیا جس کے نتیجے میں ملک دولخت ہوا۔ اس کے بعد سیاستدانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع فراہم کیا کہ وہ بچے کھچے ملک کے استحکام کے لئے کام کر سکیں لیکن بھٹو مرحوم بھی اقتدار میں سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن کر آیا۔ گو کہ اس نے جلد ہی مارشل لاء ختم کر دیا اور وہ ۱۹۷۳ء میں ملک کو ایک متفقہ دستور بھی دیا لیکن اس کے سیاسی ہیر پھیر کے نتیجے میں اس کے خلاف ملک گیر تحریک چلی اور ملک ایک بار پھر مارشل لاء کی زد میں آ گیا۔ ضیاء الحق مرحوم نے تو آخر وقت تک فوجی وردی نہیں اتاری۔ اس کا مارشل لاء ملک کا طویل ترین مارشل لاء ثابت ہوا۔ گو کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ملک میں کوئی مارشل لاء نہیں آیا اور لولی لنگڑی جیسی بھی ہے جمہوریت سے چل رہی ہے۔ آثار یہ بتاتے ہیں کہ مارشل لاء نافذ نہ کرنا بھی غالباً فوج کی کوئی مجبوری بن گئی ہے۔ جنرل اسلم بیگ کی ریٹائرمنٹ کے فوراً بعد سیاست میں آمد اور اقتدار کے لئے بے تابی اس کی غماز ہے کہ اگر انہوں نے مارشل لاء نافذ نہیں کیا تھا تو اس میں ان کے ارادے کو کوئی دخل نہ تھا البتہ نواز شریف کے دور میں سندھ میں فوجی اپریشن اور بعد ازاں نواز شریف اور غلام اسحاق خان کو اقتدار سے ہٹانے کے واقعات سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ فوجی حکومت نہ ہونے کے باوجود امور مملکت میں فوج کا عمل دخل موجود ہے۔

ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں سیاسی خلفشار ہمیشہ ہمارے مقابلے میں زیادہ رہا ہے۔ اس کے باوجود وہاں فوج نے آج تک اقتدار کی جانب دیکھنے کی جراءت نہیں کی۔ اگر ہم پاکستان اور ہندوستان کے سیاستدانوں کے کردار کا تجزیہ کریں تو اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان ہمارا دشمن نمبر ایک ہے۔ اس نے آج تک پاکستان کے وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا لیکن اگر دشمن میں بھی کوئی خوبی ہو تو اس کا اعتراف کیا جانا چاہئے۔

انسان اور حیوان

پنجاب کے وزیر' سردار مقصود لغاری نے امریکہ میں علاج کرانے کے لئے 7,20,000 وصول کئے۔ واپسی پر انہوں نے 72,992 ڈالر کا مزید ایک بل تھما دیا جو منظور ہو گیا اس طرح ان کے علاج پر کل 32,50,000 روپے خرچ ہوئے۔ بیرون ملک علاج پر پابندی کے باوجود وی۔ وی۔ آئی۔ پی علاج معالجے کے لئے باہر آتے جاتے رہتے ہیں۔ بیرون ملک علاج کے لئے صوبائی وزیر مال افضل سندھو' سابق چیف سیکرٹری جاوید قریشی اور ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ فیصل آباد کی والدہ کے لئے بھی سرسری کارروائی عمل میں لائی گئی ہے۔ مقصود لغاری' صدر فاروق لغاری کے چچا زاد بھائی ہیں۔ سرکاری طور پر کسی وی۔ آئی۔ پی کو بیرون ملک علاج کے لئے دی جانے والی یہ سب سے بڑی رقم ہے۔

ایک اخباری اطلاع کے مطابق' میجر جنرل (ر) سوروپ خان' گورنر پنجاب کو امریکہ میں ۱۰ روزہ علاج کے لئے فارن کرنسی میں ۱۰ لاکھ روپے دیئے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی اخبارات کی زینت بنی تھی کہ بھائی پھیرو بم دھماکہ میں مرنے والوں کے ورثا کو ۵۰ ہزار اور زخمی ہونے والوں کو ۲۵ ہزار فی کس ادا کئے گئے۔

(یونیورسل میسج' جون ۱۹۹۶ء)

ہندوستان میں حکمرانوں نے اپنے وطن کے مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دی اور جمہوریت کو پھلنے دیا۔ کانگریس نے اقتدار سے نکل کر اپنی حریف حکومت کی ٹانگ کھینچنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دوبارہ برسراقتدار آئی۔ اب اٹل بہاری باجپائی نے اکثریت حاصل ہونے کے باوجود اس لئے استعفیٰ دے دیا ہے کہ اس کی حکومت کو اعتماد کا ووٹ حاصل نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس ہمارے سیاستدانوں کا حال سب کے سامنے ہے۔ اقتدار کے حصول کے لئے ہمارے سیاستدانوں نے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کروا دیا لیکن مجال ہے جو ان کی روش میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں سیاست دولت کمانے کا ذریعہ ہے چنانچہ انسان گدھوں اور گھوڑوں کی طرح نیلام ہوتے ہیں۔ جب سیاستدانوں کا یہ حال ہو تو فوج کیسے الگ تھلگ رہے۔

بہرحال جماعت اسلامی اور ایم کیو ایم مفاہمت دو چار مذاکرات کے بعد خود ہی دم توڑ گئی ادھر حالات میں تیزی سے تبدیلی آ رہی ہے۔ گورنر کمال اظفر کو ایم کیو ایم تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھی لیکن اشتیاق اظہر نے ان سے لاکھوں روپے کے چیک وصول کئے پھر ایم کیو ایم کی مذاکراتی ٹیم نے ان سے ملاقاتیں بھی کیں اب گورنر صاحب لندن گئے ہوئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے تردید آئی ہے کہ وہ الطاف حسین سے مذاکرات کے لئے نہیں گئے لیکن لوگ جانتے ہیں کہ سیاست میں تردید کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ ایم کیو ایم کے سیاسی اسیروں کے بارے حکومت کے رویئے کی اچانک تبدیلی اور اب محاصروں اور پولیس مقابلوں وغیرہ کے معاملے کا سپریم کورٹ میں رٹ کی صورت میں پہنچایا جانا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔ ان باتوں کے علاوہ کراچی کے مسئلے پر یکایک دس سیاسی جماعتوں کے اتحاد کا قائم ہو جانا بھی حیرت انگیز پیش رفت ہے۔ مزید برآں ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کی جانب سے متعدد مواقع پر مخصوص ناپسندیدہ افراد سے لاتعلقی کا اظہار بھی قابل غور بات ہے۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی ایم کیو ایم مسلم لیگ کی جانب جھکی ہے' تو بے نظیر حکومت کی ایم کیو ایم کے ساتھ رویئے میں تبدیلی آئی ہے۔ ممکن ہے جماعت اسلامی سے مفاہمت کی بناء پر ایک بار پھر حکومت وہی ڈرامہ دہرا رہی ہو۔ لیکن ایم کیو ایم کو بہرحال یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اہل کراچی کے مصائب میں کمی میں اب تک کیوں ناکام رہی ہے۔ یقیناً اس میں اس کی بے تدبیریوں کا بڑا دخل ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ فوج سمیت تمام مقتدر اداروں کے بارے میں اپنے رویئے پر نظر ثانی کرے۔ لیکن اسے یہ ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ جو لیڈر شپ اپنے عوام کے مصائب کو دور کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو اسے لوگ ایک نہ ایک دن ضرور مسترد کر دیتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ کراچی کے نوجوانوں کو اس کی لیڈر شپ نے مستقل حقائق سے فرار کی پالیسی پر گامزن کیا ہوا ہے۔ ایک بار پھر بلدیاتی انتخابات کے بائیکاٹ کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اگر ایم کیو ایم کی قیادت یہ سمجھتی ہے کہ جماعت اسلامی کو ساتھ ملا کر وہ کوئی تحریک اس شامت زدہ شہر میں برپا کر سکتی تو یہ اس کی بھول ہے۔ جماعت اسلامی تحریک چلانے کی پوزیشن میں ہرگز نہیں ہے۔ یہ ناممکن بات صرف ایم کیو ایم کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکتی ہے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ سیاسی طور طریقے اختیار کرے۔ حالات تیزی سے ایم کیو ایم کے خلاف جا رہے ہیں۔ حکومت نے خواہ طاقت کے بے جا استعمال کے ذریعہ ہی سہی کراچی میں فی الحال امن قائم کر کے دکھا دیا ہے۔ ایم کیو ایم کی ٹاپ براس تو ماری جا چکی ہے یا قید و بند میں مبتلا ہے یا پھر "سورج کی کرنوں سے بھی اپنے آپ کو چھپائے ہوئے ہے"۔ ایسے میں یہ کسی تحریک کے برپا کرنے کی پوزیشن میں ہرگز نہیں ہے۔ اہل کراچی کی سب سے بڑی ضرورت تشدد کا خاتمہ ہے یہ تشدد چاہے مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے ہو یا حکومت کی ایجنسیوں کی جانب سے۔ تشدد کے خاتمہ کی کتنی قیمت ایم کیو ایم نے چکائی ہے اس سے کراچی کے ان باشندوں کو تو کوئی غرض ہے ہی نہیں جو غیر مہاجر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں مہاجروں کی اچھی خاصی تعداد بھی خواہ زبان سے کچھ کہتے ہوں یا کہنے پر مجبور ہوں' اطمینان کا سانس لے رہی ہے۔ دوسری طرف حکومت نے بلدیاتی انتخابات جیتنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ بلدیاتی حلقہ بندیوں کا ازسرنو تعین اسی کا حصہ ہے۔ مہاجروں کی آبادیوں کو غیر مہاجر آبادیوں کے ساتھ اس طرح ملا دیا گیا ہے جس سے انتخابات کے نتائج پر اثر انداز ہونا آسان ہو۔ تیسری جانب ان علاقوں میں ترقیاتی کاموں میں تیزی آ گئی ہے جہاں یا تو مہاجر بہت تھوڑے ہیں مثلاً لیاری' ملیر وغیرہ یا پھر وہ علاقے جنہوں نے ماضی میں ہڑتالوں کا کوئی خاص اثر نہ لیا ہو جیسے گلشن اقبال وغیرہ۔ اس کے برعکس ضلع وسطی میں سڑکوں کو جس طرح کھود کر ایک عرصے سے چھوڑ دیا گیا ہے اور اس سے ان علاقوں میں رہنے والوں کو جن دشواریوں کا سامنا ہے وہ خود ایک سزا سے کم نہیں۔ ترقیاتی اسکیموں میں فلائی اوورز' لیاری ایکسپریس وے اور اس قسم کے دوسرے وہ پراجیکٹ ہیں جو اتنے نمایاں ہیں کہ ان کے لئے کسی اشتہار کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ عام انتخابات سے قبل غالباً کراچی کی صوبائی اور قومی نشستوں کے لئے بھی حکومت حسب منشاء حدبندیوں کا ازسرنو تعین کرے گی۔ یہ تمام کام صرف اس لئے ہو رہے ہیں کہ یا تو لوگ ایم کیو ایم کو خود ہی بھول جائیں یا پھر ایم کیو ایم کو آئندہ ہر سطح پر اقتدار سے الگ رکھا جائے اور وہ عوامی مینڈیٹ جو ایم کیو ایم اور مہاجر عوام کے لئے ع اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی کے مصداق بلا بن چکا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے۔

بعض اوقات فوج کو حالات کے تحت پیچھے ہٹانا (Retreat) کرنا پڑتا ہے۔ ایم کیو ایم کو بھی اس بارے میں غور کرنا چاہئے کہ سیاست میں نہ دوستی مستقل ہوتی ہے اور نہ دشمنی۔ اب بھی اس کے لئے موقع ہے کہ وہ مذاکرات کے ذریعہ پیپلز پارٹی سے کچھ لو کچھ دو کی بنیاد پر معاملہ کرے۔ ویسے بھی ایم کیو ایم کی ہر لحاظ سے فطری اتحادی پیپلز پارٹی ہی ہو سکتی ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عوام کو مصائب سے نکالنے کے لئے اگر اسے سندھی قوم پرستوں سے بھی معاملہ کرنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ ملک کی سالمیت کے دائرے کے اندر اندر ہو۔

دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر کبھی مفید نہیں ہوتا۔ مشرقی پاکستان میں محصور ڈھائی لاکھ غیر بنگالی آبادی اپنی اسی پالیسی کی سزا اب تک بھگت رہی ہے۔ چار سال سے تو اہل کراچی بھی یہ سزا بھگت رہے ہیں۔ سندھی اور مہاجر مل کر اگر اپنے حقوق کے لئے مشترکہ جدوجہد کا آغاز کریں تو اس کے نتیجے میں ان دونوں طبقوں میں رواداری اور اخوت بھی پیدا ہوگی اور ان شاء اللہ اس سے ملک کے استحکام کے لئے بھی مزید راہیں کھلیں گی۔ لیکن جس طرح الطاف حسین حقیقی والوں سے اس لئے معاملہ کرنے کو تیار نہیں کہ ان کے نزدیک اس نے فوج سے سازباز کر کے مہاجر عوام کے مفادات سے غداری کی ہے اسی طرح سندھی عوام بھی ان سے معاملہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اگر وہ یہ محسوس کریں گے کہ مہاجر لیڈر شپ سندھیوں کے مفادات کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ لہٰذا ایم کیو ایم کے قائدین اگر مہاجر قومیت کے نعرے

(باقی صفحہ ۱۵ پر)۔

"اخوت اکیڈمی" کے نوجوانوں کا جذبہ قابل رشک ہے

محترم مظفر حسین ندوی کا امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعت کرنا ان کی عظمت کی دلیل ہے

مظفر آباد' دھیرکوٹ (آزاد کشمیر)' سانگلہ ہل اور ٹوبہ ٹیک سنگھ کے دورے پر مشتمل امیر تنظیم اسلامی کے "عشرۂ دعوت" کی اجمالی رپورٹ

مرتب : ڈاکٹر عبدالخالق

اس دورہ کا پروگرام اصلاً تو تنظیم اسلامی حلقہ آزاد کشمیر کے علاقائی اجتماع کے لئے طے پایا تھا لیکن جس کے ساتھ پھر مزید کچھ پروگرام ازخود اور کچھ موقع کی مناسبت سے ہنگامی طور پر ایسے ترتیب پا گئے جو افادیت کے لحاظ سے اصل پروگرام پر بازی لے گئے۔

اس دورہ کا آغاز ۱۴ جون بروز جمعہ' نماز جمعہ کی ادائیگی کے فوراً بعد ہوا۔ امیر تنظیم اسلامی کی ہمراہی میں نائب امیر (راقم) اور ناظم اعلیٰ محترم عبدالرزاق صاحب پر مشتمل یہ قافلہ بذریعہ سڑک سفر کرتے ہوئے سوا آٹھ بجے اسلام آباد رفیق تنظیم جناب ظفر الامین صاحب کے ہاں پہنچ گیا۔ وہاں پر کچھ انفرادی ملاقاتوں کا پروگرام پہلے سے طے تھا جو پہنچنے کے فوراً بعد سے لے کر رات ساڑھے دس بجے تک جاری رہا۔ اس دوران جماعت اسلامی کے ایک وفد نے بھی ڈاکٹر افضل اعزاز کی زیر قیادت امیر تنظیم سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کا اصل مقصد قاضی حسین احمد صاحب کے اعلان کردہ ۲۴ جون کے "دھرنے" میں تنظیم اسلامی کا عملی تعاون حاصل کرنا تھا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ اب کل صبح سے میں ایک ہفتے کے دورہ پر روانہ ہو رہا ہوں' اگر یہ بات ہمیں پہلے سے معلوم ہوتی تو ہم اپنی جماعتی سطح پر اس بارے میں مشورہ کرتے جو اندریں حالات ممکن نہیں ہے۔ امیر محترم نے انہیں یاد دلایا کہ اشتراک عمل کے لئے ان کی جانب سے پیش کردہ "وفاق" کی تجویز پر جماعت اسلامی کی جانب سے مکمل خاموشی ہے۔ اشتراک عمل یا عملی تعاون کے لئے کوئی فارمولا طے ہونا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے گویا تنظیم اسلامی کی جانب سے گیند جماعت اسلامی کی کورٹ میں ہے۔ اس ملاقات کے فوراً بعد "اخوت" کے چار نوجوان ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ اس ملاقات کی سبیل یوں بنی کہ ندائے خلافت کی ۱۰ جون کی اشاعت میں اخوت اکیڈمی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر امتیاز احمد صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں امیر تنظیم اسلامی کی جانب سے پیش کردہ تجویز بعنوان "شیعہ سنی مفاہمت کی ٹھوس اور موثر اساس" پر اپنی رائے کا اظہار کیا گیا تھا۔ قطع نظر اس بات کے کہ ان کی رائے کیا ہے اور ہمارا اس سے اختلاف کس قدر ہے محسوس کیا گیا کہ اس سفر کے دوران ان سے ملاقات کرنی چاہئے۔ یہ ملاقات کئی اعتبارات سے خاصی مفید رہی۔ یہ چار نوجوان جن میں سے دو بی ایس سی انجینئر اور ایک M.Phil ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے دورانئے میں انقلاب ایران سے متاثر ہوئے اپنی دنیوی تعلیم اور کیئر کو تج دے کر دینی تعلیم حاصل کرنے قم جا پہنچے اور اب وہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسلامی موضوعات پر Ph.D کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ دینی موضوعات پر تحقیقات کی غرض سے گزشتہ سال مارچ میں ایک اکیڈمی قائم کی جس کے وہ founder ممبر ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر ۲۰ کے قریب نوجوان ہیں جو اسی انداز میں اس اکیڈمی میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ نوجوان خاص طور پر اہل سنت سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے لئے ایک مثال ہیں۔ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم میں سے کتنے نوجوان ہیں جو یہ جذبہ رکھتے ہوں اور اس انداز میں دین و آخرت کے لئے قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ امیر محترم نے ان سے وعدہ فرمایا کہ وہ اپنے دورے سے واپسی پر ان کی اکیڈمی کو visit کریں گے۔

آزاد کشمیر

اگلی صبح دھیرکوٹ کے لئے روانگی ہوئی۔ ناظم حلقہ پنجاب شمالی شمس الحق اعوان صاحب اپنے ایک رفیق کے ساتھ اس پورے دورہ میں ہمارے ساتھ رہے۔ ابھی مری کے راستے میں ہی تھے کہ بارش نے آن لیا اور پھر تو کبھی موسلا دھار اور کبھی پھوار دھیرکوٹ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بلکہ اس دورے کے دوران تمام ہی طے شدہ عمومی پروگراموں کے دوران بارش کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ دھیرکوٹ میں جلسہ کے انتظامات جو ایک کھلی جگہ پر رکھے گئے تھے درہم برہم ہو گئے تھے۔ کجا یہ کہ یہاں ایک دن قبل کی گرمی اور دھوپ کو دیکھتے ہوئے جلسہ گاہ میں سائبان کا انتظام کیا گیا تھا کہ جلسہ عام کا وقت ڈھائی بجے دوپہر تھا اب صورتحال یہ تھی کہ ہر کوئی ٹھنڈی تیز ہوا سے بچنے کے لئے اوٹ کی تلاش میں نظر آ رہا تھا۔ اس پروگرام میں شرکت کے لئے رفقائے آزاد کشمیر کے علاوہ راولپنڈی اسلام آباد سے ۸۰ کے قریب رفقاء تشریف لائے تھے۔ موسم کو دیکھتے ہوئے یہی اندیشہ نظر آ رہا تھا کہ شاید یہ پروگرام نہ ہو سکے لیکن ڈھائی بجے کے قریب بارش تھم گئی اور ۳ بجے جب جلسہ کے پروگرام کا آغاز کیا گیا تو لوگ تیزی سے آنا شروع ہو گئے اور حاضری ۳۰۰ کے قریب ہو گئی۔ امیر محترم نے ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا۔ رات ۸ بجے رفقائے آزاد کشمیر کی امیر محترم کے ساتھ نشست تھی جو ۹ بجے تک جاری رہی۔ ۲۵ کے قریب رفقاء شریک ہوئے (اس میں مظفر آباد سے تعلق رکھنے والے رفقاء شامل نہیں تھے) یہاں پر ہمارا قیام دو روز کا تھا اس لئے طے کیا گیا کہ اگلے روز ایک اضافی عمومی پروگرام رکھ لیا جائے کہ بہت سے لوگ بارش کے باعث پہلے روز کے جلسہ عام میں شریک نہیں ہو پائے تھے۔ اس پروگرام کی تجویز سردار عبدالقیوم وزیر اعظم آزاد کشمیر کے بھائی سردار عبدالغفار خان نے پیش کی اور ساتھ ہی جگہ بھی تجویز فرما دی امیر محترم نے ساتھیوں سے مشورہ کے بعد اس تجویز کو قبول کر لیا چنانچہ ۱۶/ جون کو یہ پروگرام ڈھائی بجے منور پلازہ کی چھت پر شروع

ہوا اور سوال جواب کی نشست سمیت ۵ بجے تک جاری رہا۔ حاضری ۳۵۰ کے قریب تھی۔

دھیرکوٹ سے ۱۰ کلو میٹر دور اور ۵۰۰ فٹ مزید بلندی یعنی ۶۵۰۰ فٹ کی بلندی پر "رنگلہ" واقع ہے۔ یہاں سے تعلق رکھنے والے ہمارے رفقاء میں سے چند اہم اور سینئر رفقاء کے اصرار پر امیر محترم وہاں تشریف لے گئے۔ مقصد تو صرف اس جگہ کا visit اور چند انفرادی ملاقاتیں ہی تھا لیکن ہمارے ساتھیوں راجہ محمد اکرم اور راجہ محمد داؤد کی کوششوں سے ہائر سیکنڈری سکول میں اساتذہ کے ساتھ ایک نشست رکھی گئی تھی۔ راجہ محمد داؤد خود بھی اس سکول میں ٹیچر ہیں۔ پرنسپل اور اساتذہ کے اصرار پر یہاں بھی خطاب ہوا۔ سکول کے ہال میں ۵۰، ۶۰ کے قریب افراد اکٹھے ہو گئے۔

۱۷/ جون مظفر آباد کے لئے روانگی ہوئی۔ پونے بارہ بجے مظفر آباد پہنچے ہی تھے کہ فرشٹر پوسٹ کا نمائندہ انٹرویو کے لئے موجود تھا۔ نماز ظہر کے فوراً بعد مظفر آباد سے تعلق رکھنے والے ہمارے دیرینہ رفیق عبدالقیوم قریشی صاحب کا نکاح تھا۔ مسجد میں محفل نکاح سے امیر محترم نے خطاب فرمایا اور خطبہ نکاح کی تشریح کے ساتھ ساتھ شادی بیاہ کے ضمن میں اصلاحی تحریک کا بھی تعارف کروایا۔ یہ بات خوش آئندہ ہے کہ برادرم عبدالقیوم کا عقد نکاح ہمارے بزرگ ساتھی جناب اختر قریشی صاحب کی صاحبزادی سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نکاح میں دین و دنیا کی سعادتیں عطا فرمائے آمین۔

عصر تا مغرب انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ عمومی پروگرام رات ۸ بجے سے کلب ہال مظفر آباد میں طے تھا۔ آج بھی بارش کا سلسلہ جاری تھا اور عین پروگرام کے وقت بھی بارش ہو رہی تھی لیکن یہ ہمارے رفقاء کی انتھک محنت اور جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ وقت مقررہ پر ایک کثیر تعداد امیر محترم کے خطاب کو سننے کے لئے موجود تھی جس میں پروگرام شروع ہوتے ہی اتنا اضافہ ہو گیا کہ ہال میں تمام نشستیں پر ہو گئیں اور چند اضافی نشستوں کا بندوبست کرنا پڑا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس پروگرام میں ۸۰۰ افراد شریک ہوئے۔ اس جلسہ کی صدارت مولانا سید مظفر حسین ندوی مدظلہ نے فرمائی۔

حاضرین کے ذوق و شوق اور دلچسپی کو دیکھتے ہوئے امیر محترم کا خطاب بھی نسبتاً طویل ہو گیا جو سوا دو گھنٹے پر محیط تھا۔ اگلی صبح ۱۸ جون نماز فجر کے فوراً بعد جناب مظفر حسین ندوی صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے انہوں نے امیر محترم کے رات کے خطاب کی توثیق فرمائی اور فرمایا کہ انہیں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خیالات سے مکمل اتفاق ہے۔ نتیجتاً انہوں نے اسی نشست میں تنظیم میں شمولیت کے ارادے کا اظہار فرمایا اور بعد ازاں بیعت فارم پر دستخط کر کے تنظیم اسلامی میں باقاعدہ شرکت کر لی۔

محترم مظفر حسین ندوی کا امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کر لینا خود ان کی عظمت اور دین کے ساتھ خلوص و اخلاص کی دلیل ہے کہ امیر محترم سے عمر میں ۱۲ سال بڑے ہونے، علم و فضل کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر ہونے کے باوجود ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ میرے خیال میں اس واقعہ کو کسی درجے میں حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید کے ساتھ نسبت حاصل ہو گئی ہے۔ سید مظفر حسین ندوی صاحب، سید ابوالحسن علی ندوی اور سید مسعود عالم ندوی کے چہیتے شاگرد رہے ہیں جس کی بنا پر ان پر جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت دونوں کا رنگ موجود ہے۔ تعلیمی اور تدریسی خدمات کے علاوہ انہوں نے حکومت آزاد کشمیر میں انتظامی خدمات بھی سرانجام دی ہیں۔ موصوف نظامت تعلیم کے ڈائریکٹر بھی رہے ہیں۔ موصوف آزاد کشمیر کی معروف دینی شخصیت ہیں۔ وہ ہمارے ہاں محاضرات قرآنی میں بھی شریک ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو ہمارے لئے اور ہمارے مشن کے لئے کسی بڑے break through کا ذریعہ بنا دے۔ ۱۸ جون کی صبح ساڑھے چھ بجے مظفر آباد میں تنظیم اسلامی کے رفقاء کے ساتھ خصوصی نشست تھی اور اس کے ساتھ ہی آزاد کشمیر کے علاقائی اجتماع کا پروگرام اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

دو روز ہزارہ ڈویژن میں

ہماری اگلی منزل بالاکوٹ تھی۔ یہاں پر بعد نماز ظہر مرکزی جامع مسجد سید احمد شہید میں امیر محترم کا خطاب تھا۔ یہاں بھی پروگرام سے قبل اور دوران بارش کا سلسلہ جاری رہا جس کی بنا پر کثیر تعداد اس پروگرام میں شرکت سے محروم رہی تاہم ۱۵۰ کے قریب نمازیوں نے سوا گھنٹے تک جم کر امیر محترم کی تقریر سنی۔ اس پروگرام کی خاص بات یہ تھی کہ اس کی صدارت علاقے کی معروف دینی شخصیت مولانا غلام ربانی صاحب نے فرمائی۔ مولانا نے مزید کرم فرمایا کہ اگلی صبح (۱۹/جون) ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ مولانا کا مختصر سا تعارف یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد ۱۷/ جون ۹۶ء کو مظفر آباد میں آفیسرز کلب ہال میں جلسہ عام سے خطاب فرماتے ہوئے

دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اور بعد ازاں تعلیم و تدریس میں زندگی گزاری۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تعلق رہا جس کی بنا پر سیاسی لحاظ سے جمعیت علماء اسلام سے منسلک رہے ہیں۔ مولانا نے امیر محترم کے اس خیال کی تائید فرمائی کہ جاگیرداری کے خاتمے کے لئے تحدید زمین کی بجائے ہندوستان کی زمینوں کو خراجی قرار دینا زیادہ موثر ثابت ہو سکتا ہے۔ امیر محترم نے انہیں کتاب "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" ہدیہ پیش کی۔

۱۹ جون ۹ بجے مانسہرہ کے لئے روانہ ہوئے راستے میں عطر شیشہ کے مقام پر ہائی سکول میں اساتذہ سے مختصر خطاب کا موقع ملا۔ یہاں پر اساتذہ میں سے ہمارے معاونین خلافت بھی ہیں جنہیں گلہ تھا کہ تحریک خلافت پاکستان کے دائرہ کار کو محدود کرنے اور معاونین خلافت کو تنظیم اسلامی کے تحت لانے کے ضمن میں ہم سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ اصل مقصد تو ان سے ملاقات اور دلجوئی تھا تاہم ہیڈ ماسٹر صاحب اور اساتذہ کے اصرار پر یہاں بھی امیر محترم نے آدھ گھنٹہ خطاب فرمایا۔

دوپہر کا کھانا مانسہرہ میں رفیق محترم محمد اورنگزیب صاحب کے ہاں تھا۔ بعد نماز عصر ایبٹ آباد کے لئے روانگی ہوئی۔ یہاں پر اہم ترین پروگرام ڈسٹرکٹ کونسل ہال میں امیر محترم کا پروگرام تھا۔ موسم کی خرابی کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہا تاہم رفیق محترم محمد طفیل گوندل صاحب کی سرکردگی میں رفقاء کی انتھک محنت اور ذاتی رابطے کے ذریعے دعوت کے نتیجے میں بارش کے باوجود وقت مقررہ پر ہال کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ کثیر تعداد میں علماء و اساتذہ اور ڈاکٹرو وکلاء نیز پڑھے لکھے نوجوان اس خطاب کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش تھے حاضرین کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے امیر محترم نے بھی موضوع کا حق ادا کر دیا امیر محترم کا خطاب ۲ گھنٹے تک جاری رہا قریباً ۵۰۰ افراد کے قریب حضرات نے جم کر اس خطاب کو سنا۔ ایبٹ آباد میں رفیق تنظیم سعید احمد خان صاحب کے ہاں رات کا قیام رہا۔

ایک ہفتہ کے دورے کے سبھی پروگرام الحمد اللہ بخیر و خوبی اختتام کو پہنچ گئے۔ اس ہفتہ کے دوران جس قدر سفر پیش رہا اور جتنے پروگرام ہوئے ان سب کی تھکاوٹ اب ظاہر ہوئی اور امیر محترم کی طبیعت ناساز ہو گئی چنانچہ ایبٹ آباد سے قدرے تاخیر سے روانگی ہو سکی واپسی پر بھی ابھی کئی مراحل باقی تھے۔ دوپہر اسلام آباد میں اخوت اکیڈمی دیکھنے کے لئے گئے۔ اس کا ذکر تحریر کے آغاز میں آچکا ہے۔ ان کی جانب سے دوپہر کے کھانے کا انتظام ایک ہوٹل میں تھا۔ اکیڈمی کے ڈائریکٹر سید ثاقب صاحب نے اکیڈمی کے قیام کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ امیر محترم کی خدمت میں اب تک کی تالیفات کی فہرست پیش کی گئی۔ امیر محترم نے جوابی تقریر میں بین الاقوامی اور ملکی حالات کے تناظر میں شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتے ہوئے اس کے ابتدائی عملی قدم کے طور پر دی جانے والی اپنی اس تجویز کا ذکر کیا جو وہ اس سے قبل اہل تشیع کے اکابر حضرات کے سامنے رکھ چکے ہیں اور فرمایا کہ ابھی تک اہل تشیع کی جانب سے ان کی تجویز کا کوئی تحریری جواب موصول نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی متبادل تجویز سامنے لائی گئی ہے۔

یہاں سے فارغ ہو کر امیر محترم رفیق محترم ناصر خان صاحب کے ہاں تعزیت کے لئے تشریف لے گئے موصوف تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شمالی کے معاون ناظم ہیں حال ہی میں جبکہ یہ امیر محترم کے پروگرام کے سلسلے میں ایبٹ آباد میں تشہیری مہم پر تھے ان کے دو ماہ کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ناصر بھائی کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے مرحوم بیٹے کو ان کے لئے توشہ آخرت بنائے۔

پنڈی سے روانہ ہو کر سرائے عالمگیر میں امیر محترم اپنے F.Sc کے انگریزی کے استاد پروفیسر اشفاق علی صاحب سے ملاقات کے لئے رکے تنظیم اسلامی کے مقامی رفقاء بھی ہمراہ تھے۔ یہاں سے روانہ ہو کر رات سوا گیارہ بجے لاہور قرآن اکیڈمی میں واپسی ہوئی۔

اگلے روز امیر محترم کا خطاب جمعہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں ہوا۔ ۲۲ جون بروز ہفتہ صبح ۱۰ / بجے سانگلہ ہل کے لئے روانگی ہوئی۔

سانگلہ ہل و ٹوبہ ٹیک سنگھ

سانگلہ ہل سے قبل تھوڑی دیر کے لئے شیخوپورہ میں رکنا ہوا۔ حلقہ حجاز کے امیر تنظیم قیصر جمال فیاضی کے والد صاحب کے اصرار پر ان کے ہاں دوپہر کا کھانا طے تھا۔ برادرم قیصر جمال ماشاء اللہ ۶ بھائی ہیں جن میں ۳ تنظیم اسلامی میں شامل ہیں۔ گویا آدھا خاندان تنظیم میں شامل ہے اسی کو بنیاد بنا کر ان کے والد صاحب کا امیر محترم سے یہ کہنا تھا آپ ہمارے خاندان میں شامل ہو گئے ہیں لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ امیر محترم کا اس خاندان کے ساتھ نسبی تعلق بھی ہے کہ قیصر جمال صاحب کے خاندان کا تعلق مظفر نگر کی

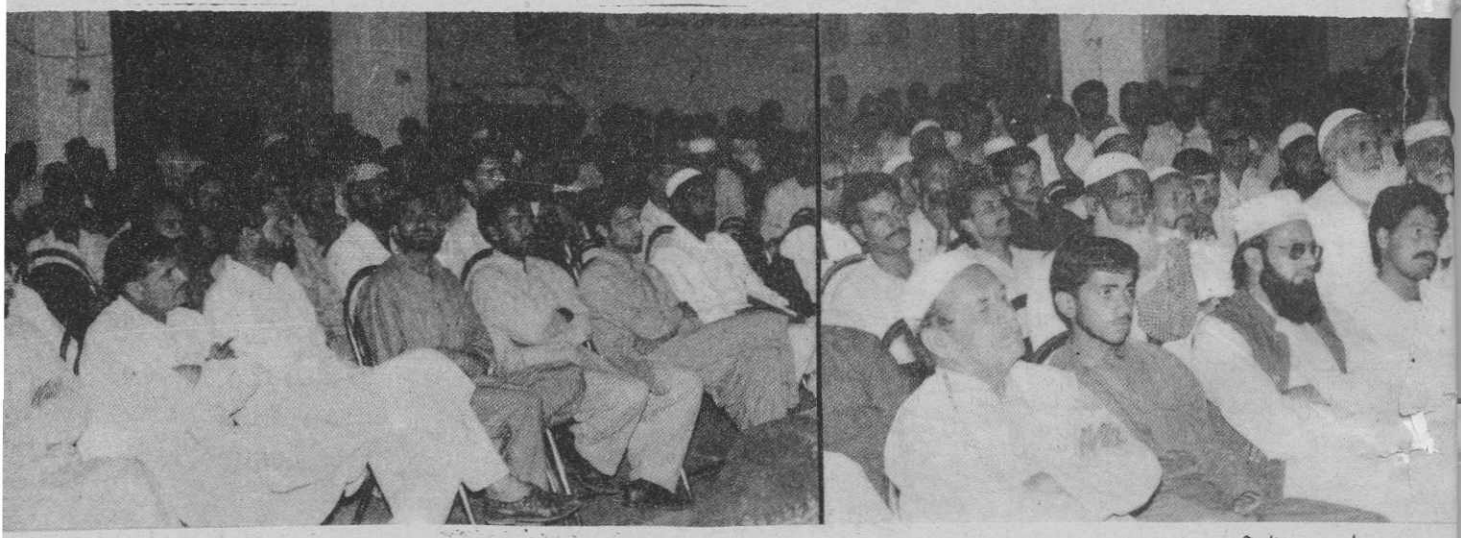

صدر جلسہ مولانا مظفر حسین ندوی بھی تشریف فرما ہیں

حسین پوری فیملی سے ہے۔ بہت ہی پر تکلف کھانے کا اہتمام تھا۔ دو بجے دوپہر وہاں سے روانہ ہو کر ساڑھے تین بجے سانگلہ ہل پہنچ گئے۔ جناب شیخ ممتاز اقبال صاحب کے ہاں قیام تھا۔ جناب شیخ ممتاز صاحب یہاں پر ہمارے تنظیم کے ساتھیوں ڈاکٹر حیات و ڈاکٹر عقیل کی دامے درمے سخنے خوب مدد کرتے رہتے ہیں۔

سانگلہ ہل میں ابتدا تو یہ طے ہوا تھا کہ صرف چند حضرات سے ملاقات ہو گی اور زیادہ سے زیادہ سوال و جواب کی ایک نشست ہو جائے گی۔ سانگلہ ہل کا پروگرام امیر محترم نے خود کہہ کر رکھوایا تھا۔ پیش نظر ڈاکٹر حیات صاحب کی دلجوئی تھی کہ وہ بارہا وقت نکال کر مختلف امور کے حوالے سے لاہور امیر محترم سے ملاقات کر چکے تھے۔ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مقامی رفقاء نے جلسے کا پروگرام ترتیب دے لیا۔ مقامی سکول کے صحن میں ٹینٹ اور کرسیاں لگا کر ایک خوبصورت اور باوقار جلسہ گاہ بنائی گئی تھی۔ امیر محترم کا خطاب بعد نماز عصر تا مغرب جاری رہا بعد نماز مغرب سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ حاضرین کی تعداد ۴۲۵ کے قریب تھی۔ حاضری کے حوالے سے خاص بات یہ تھی کہ اس پروگرام کے لئے پوری مہم ذاتی رابطے کے ذریعے طے کی گئی' کسی پوسٹر' بینر یا اناؤنسمنٹ کا سہارا نہیں لیا گیا۔ ۴۰۰ سادہ دعوت نامے چھپوائے گئے اور ذاتی رابطے کے ذریعے دعوت دی گئی۔ فیصل آباد سے بھی ۱۰ رفقاء اپنے ناظم حلقہ کی سرکردگی میں اس پروگرام میں شرکت اور انتظامات کے لئے آئے تھے۔ پروگرام الحمدللہ بہت ہی کامیاب رہا۔ سخت حبس کے باوجود حاضرین نے جم کر امیر محترم کا خطاب سنا اور بعد ازاں سوال جواب کی نشست میں شرکت کی۔ اس پروگرام کے اختتام پر ۴ حضرات بیعت کر کے تنظیم میں شامل ہوئے۔

پروگرام کے اختتام پر شیخ ممتاز صاحب کی جانب سے امیر محترم اور جملہ رفقائے تنظیم کے لئے پر تکلف کھانے کا اہتمام تھا۔ شیخ صاحب اگرچہ قبل ازیں اس بات پر رنجیدہ تھے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ان کے ہاں دوپہر کا کھانا کیوں تناول نہیں فرمایا لیکن محسوس ہوا کہ رات کے کھانے کی بنا پر ان کا گلہ کسی حد تک دور ہو چکا ہے۔ ان کا تمام تر گلہ محبت اور خلوص کی بنا پر تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دین کی خدمت اور اس کی اقامت کی محنت کے لئے قبول کرلے۔ آمین۔

رات ۱۰ بجے سانگلہ ہل سے روانہ ہو کر ساڑھے گیارہ بجے فیصل آباد رفیق محترم شیخ امین صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ اگلی صبح ٹوبہ ٹیک سنگھ کے لئے روانگی ہوئی۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ کا حالیہ دورہ دراصل گزشتہ دورے کا تتمہ تھا جس میں ایک مسجد میں خطاب عمومی گو ہو گیا تھا لیکن چند منتخب احباب سے خصوصی ملاقات کا اہتمام نہ ہو پایا تھا اسی دوران عبدالواحد عاصم صاحب کی انفرادی کوششوں سے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک لائبریری کا قیام بھی عمل میں آچکا تھا۔ اس کی افتتاحی تقریب کے حوالے سے ایک محدود نشست میں امیر محترم کا خطاب بھی پیش نظر تھا۔ اسی حوالے سے یہ ایک دن کا مختصر دورہ طے پایا تھا۔ چنانچہ ساڑھے دس بجے سے ساڑھے بارہ بجے عبدالواحد عاصم صاحب نے اپنے قریبی جاننے والوں کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کر رکھا تھا جس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تو اگرچہ ۲۰ کے قریب تھی تاہم ۱۱ حضرات نے سوال و جواب کے ذریعے تنظیم اسلامی کی دعوت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ امیر محترم نے مختصر وقت میں انقلاب نبویؐ کے کچھ مراحل اور اس میں خاص طور پر ہر آخری مرحلے میں اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت اور موجودہ دور میں اس کی عملی صورت کو مثالوں کے ذریعے حاضرین کے سامنے رکھا۔

شام چھ بجے لائبریری کی افتتاحی تقریب ہوئی جو امیر محترم کے ایک گھنٹہ کے خطاب کے بعد سوال جواب کی نشست اور آخر میں اس دعا پر اختتام پذیر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس لائبریری کو اہلیان ٹوبہ پر دین کے فہم اور اس کی حکمت کو واضح کرنے کا ذریعہ بنائے اور برادرم عبدالواحد عاصم صاحب کے لئے توشہ آخرت بنا دے۔ افتتاحی تقریب کے اس خطاب میں ۱۰۰ کے قریب حاضرین شریک ہوئے جن کی خدمت میں ادعیہ ماثورہ کی کتاب ہدیتہ پیش کی گئی۔ حلقہ فیصل آباد کے چند رفقاء نے اپنے ناظم حلقہ کی سرکردگی میں اور لاہور سے برادرم صفدر بیگ اور برادرم محمد وقاص صاحبان نے انتظامات کے حوالے سے تعاون کیا۔

پروگرام کے اختتام پر ۴ حضرات نے بیعت مسنونہ کی جن میں ایک عبدالواحد عاصم صاحب کے بھتیجے آفتاب صاحب اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں تنظیم کے تحت درس قرآن اور دعوتی خطاب کی میزبانی اور اس ضمن میں جدوجہد اور کوشش کرنے والے اہم ساتھی ضیاء الرحمٰن صاحب شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں دین کی دعوت کے اشاعت کا ذریعہ بنائے اور اس ضمن میں ان کی مساعی کو قبول فرمائے۔ آمین

رات فیصل آباد میں رفیق محترم شیخ محمد امین صاحب کے ہاں قیام رہا اور اگلی صبح فجر کے فوراً بعد لاہور روانگی ہوئی۔ یوں امیر محترم کا یہ عشرۂ دعوت بخیر و خوبی اور اپنے اندر بہت ثمرات لئے ہوئے اختتام کو پہنچا۔

بقیہ : گوشہ خلافت

درمیان ایک وسیع خلیج حائل تھی۔ یوں ایران کا انتخاب بدشگونی کا باعث بنا۔

تیسری غلطی یہ ہوئی کہ کھلی سفارت کاری پر عمل کر کے شاہ فیصل نے ناصر اور ان کے حامیوں کے خلاف عرب عوام کی حمایت حاصل کرنا چاہی جو از خود اسلامی سربراہی کانفرنس کو ایک متنازعہ امر بنانا تھا کیونکہ اس طرح مسلم ممالک کو شاہ فیصل اور ناصر' دونوں میں سے کسی ایک کی طرف داری کرنا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ کئی ممالک نے اس تفریق میں پڑنے سے گریز کیا۔ پاکستان نے بھی جو اتحاد اسلامی کی کوششوں میں ہمیشہ پیش پیش رہا تھا اس موقعہ پر پیچھے رہنا مناسب سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپریل ۱۹۶۶ء کے حج کے موقع پر اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کرنے کی شاہ فیصل کی تمام تر کوشش اور بیانات کے باوجود یہ کانفرنس منعقد نہ ہو پائی جس سے بین الاقوامی سطح پر یہ تاثر ابھرا کہ اسلامی سربراہی کانفرنس کی اصل تجویز ہی ناکام ہو گئی ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ : ایڈیٹر کے ڈیسک سے

کو مرتب کر کے "ندائے خلافت" میں شائع کیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت یہ کام بڑی عجلت میں کیا گیا تھا۔ ان خطبات کو از سر نو مرتب کرنے اور بھرپور نظر ثانی کے بعد ضروری ترمیم و اضافے کر کے انہیں کتابی صورت میں شائع کرنے کی ضرورت کا احساس ہمیں ایک عرصے سے تھا۔ بحمد اللہ اب اس کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ زیر نظر شمارے سے اس کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ بعد ازاں ان خطبات کو کتابی شکل دے دی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

قندھار میں ایک اسلامی شرعی حکومت قائم ہے !

رئیس جمہوریہ کا بھی دعویٰ ہے کہ ہمارے زیر اثر تمام فیصلے شریعت کی روشنی میں ہوتے ہیں !!

پشاور سے مولانا راحت گل کا افغان صورتحال کے حوالے سے ایک اہم استفتاء

اس وقت جس انداز سے مسئلہ افغانستان نے پلٹا کھالیا ہے اس کی تہہ میں کیا ہے؟ اور مستقبل میں کیا متوقع ہے وہ آپ جیسی دیدہ ور شخصیت سے مخفی نہیں۔

میں براہ کوئٹہ' قندھار' ہرات اور طالبان کے زیر تسلط پورے علاقے کا دورہ کرنے کے بعد' میدان شہر کا حد متارکہ جنگ عبور کرتا ہوا کابل پہنچا اور جلال آباد کے راستے واپس پشاور آیا۔ دونوں جانب کے حالات کا بغور مشاہدہ کیا۔ میں عنداللہ اپنا دینی و اسلامی فریضہ سمجھتا ہوں کہ اپنے تاثرات آپ کے سامنے رکھوں اور آپ سے شرعی فتویٰ حاصل کر کے اپنی مسئولیت سے بری الذمہ بھی ہو جاؤں اور ہو سکتا ہے کہ دونوں طرف خونریزی کا خطرہ بھی ٹل جائے۔

۱۔ میں نے دیکھا کہ قندھار میں ایک اسلامی شرعی حکومت امیرالمومنین ملا محمد عمر کی امارت میں قائم کی گئی ہے۔ افغانستان کے ۱۴-۱۵ ولایات اس امارت کے زیر نگین ہیں۔ جہاں ہر قسم کے تنازعات اور معاملات کے شریعت کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں۔ حدود و قصاص کا قانون نافذ ہے۔ اس پورے نظام کو طالبان کے نام سے موسوم کیا گیا۔ طالبان سے مراد علماء دین اور دینی مدارس کے متعلمین سمجھے جاتے ہیں۔

۲۔ دوسری جانب سربراہ مملکت کو رئیس جمہوریہ اسلامی افغانستان کہتے ہیں۔ ان کا بھی دعویٰ ہے کہ ہمارے زیر اثر ولایات میں تمام فیصلے شریعت کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ ہر ولایت میں علماء کے مجالس شوریٰ اور قاضی عدالتیں قائم ہیں۔ اگر کسی قدر شرعی کمی باقی ہے تو وہ بڑی تیزی اور حکمت سے پوری کی جارہی ہے۔

۳۔ مولانا یونس خالص' مولانا محمد نبی محمدی' حضرت صبغت اللہ مجددی اور پیر سید احمد گیلانی صاحبان نے طالبان کی حمایت کا اعلان کیا ہے' مگر امیر المومنین سے بیعت نہیں کی۔

۴۔ دوسری جانب برہان الدین ربانی' گلبدین حکمت یار اور استاد سیاف نے ایک مشترکہ میثاق پر اتحاد کرلیا ہے۔

۵۔ روس کے چلے جانے کے بعد اب تک افغان رہنماؤں کے درمیان خونریز جنگ ہوتی رہی جو تشکیل حکومت کے طریق کار میں اختلاف' ذاتی اور طبقاتی بنیاد پر مبنی تھی۔

۶۔ اب مستقبل قریب میں مسلمانوں کے دو طبقوں میں اسلام اور شریعت کے نام پر تباہ کن خونریز جنگ کی سازش بڑی تیزی سے آخری مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے۔ یورپ و امریکہ کے یہود و نصاریٰ' ہند کے مشرکین اور یہودی میڈیا باہر سے جنگ کے شعلے بھڑکاتے رہیں گے اور منافقین اندر اندر فساد برپا کرتے رہیں گے۔

۷۔ جس طرح افغانستان کے مقدس جہاد کو ناکام بنانے کے لئے دشمنان اسلام اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے اور دنیا کے سامنے ثابت کر چکے ہیں کہ اس روشنی کے زمانے میں اسلام کے نام سے کوئی جہاد کامیاب نہیں ہو سکتا' اسی طرح اب اسلامی شرعی نظام اور خلافت اسلامیہ کو ناکام بنا کر دنیا کو باور کرایا جائے گا کہ اس زمانے میں شرعی نظام چل نہیں سکتا' خود مسلمان علماء بھی اسلامی نظام چلا نہ سکے۔

ایک طرف یہ اعلان کیا جائے گا کہ کابل کے حکمران امیر المومنین کے ماتحت اسلامی اور شرعی حکومت کے خلاف باغی ہیں لہٰذا ان کے خلاف جنگ شرعی جہاد ہے جس میں لڑنے والے مجاہد اور مرنے والے شہید ہیں۔ دوسری جانب سے یہ کہا جائے گا کہ مرکزی دار الحکومت کے زیر انتظام ملک میں قانونی حکومت پہلے ہی سے قائم ہے اور ایک پابند صوم و صلوٰۃ متشرع عالم اس کا سربراہ ہے۔ اگر کسی فریق کو اس سے اختلاف ہے تو یہ لوگ ہمارے ساتھ بیٹھ کر بات چیت سے معاملات طے کریں ورنہ یہ لوگ قانونی حکومت سے خروج کر چکے ہیں جن کے جنگ شرعی جہاد ہے۔

میرا تجزیہ یہ ہے کہ طالبان بات چیت سے اختلافات کو رفع کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں۔ پس جنگ کے نتیجہ میں اگر طالبان شکست کھا گئے اور نظام خلافت ناکام ہوا تو اسلام کے ابدی و ازلی دشمن زمین و آسمان میں نقارے بجا دیں گے کہ اس زمانے میں اسلامی نظام شریعت اور نظام خلافت چل نہیں سکتا۔ خود مسلمان ملک میں بھی وہ ناکام ہو گیا' اگر کابل حکومت شکست کھالے پھر بھی ایک نہ ختم ہونے والی جنگ جاری رہے گی اور بالآخر افغانستان کو متعدد ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے لئے دشمن کے منصوبے پورے ہو جائیں گے۔

۱۔ اندریں حالات علماء دین اور مفتیان شرع مبین کیا فرماتے ہیں کہ اس جنگ کی شرعی حیثیت کیا ہو گی اور غیر جانبدار مسلمان کیا طرز عمل اختیار کریں؟

۲۔ افغانستان میں ایک متحدہ اسلامی حکومت قائم کرنے اور اس جنگ کو روکنے کے لئے علماء اسلام پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟۔

وبینوا وتوجروا۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

خادم

راحت گل

مدیر مرکز علوم اسلامیہ راحت آباد

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

مکتوب کراچی

علاقائی تقسیم نے ہر شخص کو خود غرض بنا دیا ہے

ہندوستان بننے سے پہلے سب مسلمان ایک قوم تھے' پھر "پاکستانی" قوم بن گئے !

نجیب صدیقی

ہندوستان کی تقسیم دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہوئی اور ہندو مسلم دو قومیتوں کو سامنے رکھ کر مسلم اکثریت والے علاقے پاکستان میں شامل ہوئے اور ہندو اکثریت والے علاقوں پر مشتمل نئے بھارت کی بنیاد پڑی۔ انگریز کے دور میں بھی مسلم اور غیر مسلم کی تقسیم تھی۔ مردم شماری ہو یا دوسری دستاویزات دو خانے ہوا کرتے تھے مسلم اور غیر مسلم۔ گویا تمام مسلمان ایک قوم ہیں اور تمام ہندو دوسری قوم۔ پاکستان بننے کے بعد مسلمانان پاکستان کو صبر نہ آیا اور وہ ایک وحدت اختیار کرنے پر راضی نہ ہوئے لہٰذا صوبے اور زبان کے حوالے سے پہچان رکھی گئی۔ ثقافت کا چرچہ شروع ہوا۔ صوبوں اور علاقوں کے حوالے سے ثقافت کو فروغ دیا گیا۔ ایک مسلمان امت مسلمہ کا فرد ہونے کی حیثیت سے اپنی شناخت کھو بیٹھا۔ اب وہ سندھی' پنجابی' بلوچی اور پٹھان کی صورت میں پہچانا جانے لگا۔ اس پہچان نے عصبیت کی صورت اختیار کر لی' اور اس عصبیت نے کشمکش کو جنم دیا۔

اردو بولنے والا ایک بڑا طبقہ حیران و پریشان رہا کہ وہ کہاں جائے۔ جس علاقے میں وہ آباد تھا وہاں اسے علاقے کے حوالے سے نہیں پہچانا جاتا اس لئے کہ اس کی زبان الگ ہے۔ اس کی روایات' لباس اور طور اطوار مختلف ہیں پھر ملازمتوں کے سلسلے میں بھی اسے ہر قدم پر چرکے لگے اسے اس طرح نظر انداز کیا گیا جیسے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس احساس محرومی نے آہستہ آہستہ ایک تحریک کی صورت اختیار کی' پہلے طلبہ میں اس تحریک نے راہ پائی پھر یہ قومی سطح پر ابھر آئی۔ برسر اقتدار طبقہ چاہتا تو یہ مسئلہ پہلے ہی دن حل ہو جاتا مگر جابرانہ حکومت مسائل حل نہیں کیا کرتی ہے بلکہ مسائل پیدا کرتی ہے۔ اور ایک مسئلہ کی کوکھ سے بے شمار مسائل جنم لیتے ہیں۔ تقسیم سے پہلے تو تمام مسلمان ایک قوم تھے۔ ان کی ایک سوچ تھی' ایک ساتھ جینے اور ایک ساتھ ہونے کی آرزو ہر دل میں پائی جاتی تھی بلکہ دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں پر کوئی آفت آتی ہندوستان کا مسلمان بے چین ہو جاتا اور دامے درمے ان کی مدد کے لئے تیار ہو جاتا۔

تقسیم کے بعد دشمنان اسلام نے علاقائی تصور کو آہستہ آہستہ فروغ دیا۔ یہ دشمنان اسلام نام کے مسلمان تھے اور اندر سے فرنگی۔

انگریز نے لڑاؤ اور حکومت کرو کی جو پالیسی اختیار کی تھی جس سے ہندو مسلم دو دھارے الگ الگ بہہ رہے تھے' پاکستان میں فرنگی ذہن نے علاقائی عصبیت کو ابھار کر اپنا الو سیدھا کیا۔ انگریز والا انداز حکومت آج بھی جاری ہے۔ ہندوستان نے تو پہلے ہی دن جاگیرداری اور زمینداری کو زمیں بوس کر دیا تھا مگر ہمارے یہاں یہ آکاس بیل کی طرح پھیلتی رہی۔ اور آج کیفیت یہ ہے کہ قوم کے ہر فرد کی رگوں پر جونک بن کر چپکی ہوئی ہے اور وہ خون اس طرح تقسیم ہوتا ہے کہ کچھ I.M.F. اور ورلڈ بینک میں جاتا ہے اور بقیہ جاگیرداروں کے حوالے ہو جاتا ہے۔

علاقائی تقسیم نے ہر شخص کو خود غرض بنا دیا ہے۔ کوئی شخص اپنی ذات سے بلند ہو کر نہیں سوچتا۔ آج کا کراچی عرصہ تین سال سے جس عذاب میں گرفتار ہے دوسرے علاقے کے لوگوں کے لئے کوئی خاص اہمیت والی بات نہیں ہے۔ اس کا واحد سبب علاقائی تصور کا فروغ ہے۔ جب تک مسلمان ایک وحدت تھے ایک دوسرے کے غم میں شریک رہے' لیکن آج وہ منقسم ہو چکے ہیں وہ ایک دوسرے کی مدد کیوں کریں۔

جس پہچان کو نصف صدی سے فروغ ملا ہے اس کے کڑوے پھل کا حصہ کراچی کو ملا ہے۔ یہاں کوئی غیر مسلم' مسلم کا خون نہیں بہا رہا ہے' پولیس بھی مسلم اور پاکستانی ہے رینجرس بھی اسی ملک کے لوگ ہیں مگر ظلم کی داستانیں جو رقم ہو رہی ہیں جب وہ منظر عام پر آئیں گی تو لوگ پکار اٹھیں گے کہ خونخوار بھیڑیے بھی رحم دل ہو سکتے ہیں مگر اس دور کا مہذب انسان رحم دل نہیں۔ یوں تو بے رحمی کے بہت سے انداز متعارف ہو چکے ہیں اور وہ دن ضرور آئے گا جب اس کی نقاب کشائی ہو گی۔ صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں جو آج ہی کے اخبارات کی زینت بنا ہے۔ پولیس کا چھاپہ پڑتا ہے' مطلوبہ شخص نہیں ملتا۔ ان کے اہل خانہ کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے وہ تو ایک الگ داستان ہے۔ ماں کی گود سے پانچ ماہ کا بچہ چھین کر زمین پر پٹخ دیا جاتا ہے اور وہ راہی ملک عدم ہو جاتا ہے۔ اس درندگی کا نام آپریشن ہے اور اس طرح امن قائم کیا جا رہا ہے۔

علاقائی عصبیتوں کا علاج صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے اور ہمارے خواص و عوام اسلام کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اسلام کے لئے مسلمان بن کر جینا اور مسلمان مرنا پڑتا ہے۔ صرف مسلمانوں جیسا نام رکھ لینے سے آدمی مسلمان نہیں ہوتا بلکہ اسے کچھ چیزیں ترک کرنی پڑتی ہیں اور کچھ اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ یہ ترک و اختیار بھی اس کی اپنی مرضی پر منحصر نہیں ہے بلکہ وہ اصول جو اللہ نے اپنے نبیؐ کے ذریعہ بھیجے ہیں انہیں اختیار کرنے اور وہ منہیات جن سے اللہ اور اس کے رسول نے روکا ہے رک جانے کا نام اسلام قبول کرنا ہے۔

ہماری ثقافت ہمارا "دین" ہے۔ یہی ہماری پہچان ہے۔ امت مسلمہ کی ایک ہی ثقافت ہے۔ انڈونیشیا کا رہنے والا ہو یا مراکش کا سب کے دل کی دھڑکن ایک ہے۔ مفاد پرستوں نے ہمیں علاقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ زبانوں میں بانٹ دیا ہے' اندھیرے میں دھکیل دیا ہے۔ ہمیں اس اندھیرے سے نکلنا ہے۔

اس کے لئے ہم سب کو مل کر جدوجہد کرنا ہو گی۔ وہ انقلاب لانا ہو گا جو اسلام کے اصول حریت و مساوات کا علمبردار ہے۔ یہاں سب کی پہچان ایک کلمہ

(باقی صفحہ ۷ پر)